نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بحمد للہ و المنۃ کہ کتاب مصنفۂ عابد علی نقشبندی مجددی فضلی رحمانی
کمترین خادمان حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہٗ گنج مرادآبادی

الموسوم بہ

فیض احمدی

یعنی

حصۂ اوّل سیر آفاقی

حصۂ دوم سیر انفسی

جسمین

اصول اسلامی کی تشریح حسب ضرورت زمانہ بہ مذاقِ فلسفیانہ کیگئی ہے
اصل مقصد دلسے ایسے خیالات کا نقش مٹانا ہے جو اسلامی ہیئت پر بدنما ۔ اللہ الموفق والمعین

باہتمام خواجہ عبدالواحد مہتمم و مالک انتظامی پریس کانپور

در مطبع انتظامی کانپور طبع شد

سنہ ۱۳۴۳

یَا فَتَّاحُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ برتر! کسی انسان کی عقل کا یارہ نہیں ہے کہ تیری حمد کما حقہ بیان کر سکے، مگر یہ سب پر فرض ہے کہ ہر کام کی ابتدا تیرے بابرکت نام اور تعریف کے ساتھ کرے، جو چیز ہماری نگاہ کے روبرو یا خیال میں آتا ہے زبان حال سے تیری حمد میں رطب اللسان ہے۔

اسکے بعد نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے، کیونکہ بعد خدا آپ کا بار احسان ہم پر سب سے زیادہ ہے، جو دنیا اور آخرت کی بہبودی کا خواہاں ہو وہ جملہ معاملات میں حضور کے نقش قدم پر چلے حضور خود محبوب ہیں اور حضور کے جملہ فعل محبوب ہیں، آپ کا طریق صراط مستقیم ہے۔

سبب تصنیف

تعلیم دینی کی قلت صحبت نیک کی نایابی سے اسلام کی صورت بدل گئی ہے، جس شخص میں جس درجہ جس قسم کا اثر پہونچ گیا ہے، اوسی قدر وہ مرکز اسلامی سے جدا ہوکر دوسری جانب کھنچ گیا ہے، یہی سبب ہے کہ خیالات فاسدہ نئے نئے رنگ میں جلوہ گر نظر آرہے ہیں، جس نے سیرت اسلامی پائی ہے اُس نے تو دین اور دنیا سب کچھ پالیا، ہم لوگ تو مسلمانوں میں رہکر مسلمانوں ایسی صورت دیکھنے کو ترس گئے ہیں، خیر شکر ہے کہ تلاش سے اب بھی اچھے مسلمان

مل جاتے ہیں ؎

خوشا وقتے کہ مردم آدم بے سایہ دیدند　　　　غریب است ایں زماں گر سایہ آدم شود پیدا

کس کا دل ہے کہ اسلام کی یہ حالت دیکھتے ہوئے پھر بھی اپنی امکانی امداد میں کوتاہی کرے خدا نے مختلف استعدادیں پیدا کی ہیں، ایک دوسرے سے فیضیاب ہوتا ہے، میں نے یہ ایں خیال کہ کسی شخص کو کسی درجہ میں کچھ فائدہ پہونچے ایک مقدمہ کی صورت میں یہ کتاب مرتب کی ہے اور یہ سلسلہ تحقیقات اکثر اصول اسلامی پر روشنی ڈالی ہے، تاکہ اصلاح خیالات اور صحت عقیدت کا فائدہ حاصل ہو۔

زمانہ دنیا پر فریفتہ ہوکر دین سے بے خبر ہوگیا ہے۔ لہذا دنیا اور لذات دنیا کی حقیقت اور اصول اسلامی کا تعلق دنیا دی لطف سے بدیہی واقعات سے آجکل کے لوگوں کے مذاق طبیعت کے پیرایہ میں دکھلایا ہے، جو صاحب میری جانفشانی سے خوش ہوں دعا خیر سے یاد فرمادیں۔

موضوع کا بیان

عالم خیال کی وسعت تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے، جو کچھ نظر آتا ہے یا حواس سے معلوم ہوتا ہے خیال کے احاطہ تصرف میں ہے، خیال دنیا کی ہر شے اور ہر حال پر نظر ڈالتا ہے، بڑے بڑے دلکش اور دلربا منظر پاتا ہے سب صورتیں دل کے حضور میں پیش کرتا ہے۔

دلمیں کشش کا مادہ ہے، ان صورتوں میں دلفریبی اور دلربائی موجود ہے، مگر دل ایک ہے اس لئے دل کی کامل اور غالب توجہ ایک ہی طرف ہوسکتی ہے۔ دل کے آیندہ رنج وراحت کا دار و مدار اسکی انتخابی قابلیت پر ہے، گو ہر صورت کمال دلفریبی سے آراستہ ہے، مگر آیندہ نتائج

جدا جدا برآمد ہوتے ہیں۔

ہر طرف میل کرنا تو دل کی طبیعت میں داخل ہے، عقل ہر صورت کا نفع اور ضرر بتلاتی ہے بھلائی کی رغبت دلاتی ہے۔ دل عقل کی بات سنتا ہے، مگر دل عقل کی رائے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں ہے، اسی تنازعہ کے صحیح فیصلہ پر آئندہ زندگی کے رنج و راحت کا دارومدار ہے، اسلئے میں نے اپنا موضوع یہ رکھا ہے کہ عالم خیال سے وہ صورت تجویز کی جاوے جو مقصد زندگی کے واسطے مفید ترین ہو، اور دلائل عقلی سے اوس کی تائید بطریق احسن ہوتی ہو۔

تلاش مدعا میں عالم پر ایک تحقیقاتی نظر

تمام عالم مادی کا نقشہ ہمارے روبرو ہے، اور ہمکو یہ تلاش ہے کہ ہماری حیثیت اس مقام پر کیا ہے، کیونکہ ہمکو اپنی غرض کے واسطے سب سے پہلے یہی امر دریافت ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے، عالم مادی کو ہم تین قسم پر تقسیم پاتے ہیں، یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات

جمادات اور نباتات میں فہم و قوت بالارادہ نہیں ہے لہذا دنیا میں ان کا فائدہ بجز مصرف حیوانی اور کچھ نہیں ہے۔

حیوانات دو قسم پر ہیں، مطلق اور ناطق

حیوانات مطلق فہم اور قوت بالارادہ رکھتے ہیں، مگر اوسی قدر جتنا کہ زندہ رہنے اور خطرہ سے محفوظ رہنے کے واسطے ضروری ہے، نہ تو اونمیں کسب کی قابلیت ہے، نہ حقوق کی رعایت ہے، قدرت نے بھی اون کی فہم اور استعداد کے مناسب حال اون کی غذا بلا تردد مہیا کردی ہے اون کو خود اپنی محنت سے غذا پیدا کرنے کی قابلیت نہیں ہے تو قدرتی البتہ سامان کردیا گیا ہے

کہ وہ بھوکے بھی نہیں رہ سکتے ہیں، اور بھی جو کچھ ضروریات زندگی سے مطلوب تھا اون کو عطا کیا گیا ہے، دوسرے کی امداد کی حاجت اونکو نہیں ہے۔ اونکی محدود عقل اچھی بری بات نفع نقصان کی تمیز سے عاری ہے اسلئے وہ مواخذہ قانونی سے بری ہیں۔

چونکہ بہ اقتضائے فطرت حیوانی نہ اونکو دوسرے کی احتیاج ہے نہ اون کے کسی فعل پر کوئی گرفت ہوسکتی ہے، اس لئے اون کی خواہشات اور جذبات ذاتی غرض کے تابع ہوتی ہیں اون کا قلب محبت اور مروت کی حقیقت سے بےخبر ہے یہ ممکن ہے کہ ہم بہ تردد تمام کوئی ایسی مثال پیش کردیں کہ اون کی محبت پر محمول کی جاوے، مگر غور کرنے کے بعد کوئی ذاتی غرض تہ میں پنہاں ہوگی مثلاً کتّا بہ اعتبار رفاقت بہت شہرت رکھتا ہے۔ اوس کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم جنس کو مالک کے گھر آتے دیکھے تو خواہ مخواہ خون کا پیاسا ہوجاتا ہے، مالک کے دوست پہ غرّاتا ہے۔ جانوروں کی محبت اور مروت کی یہ اعلیٰ مثال ہی خارج از عقل خودغرضی اور حماقت اوپر تیر رہی ہے تہ تک پہونچنے کی حاجت نہیں ہے

یہ جملہ خواص جو حیوان مطلق کے بیان میں ظاہر کئے گئے ہیں حیوان ناطق میں بھی پائے جاتے ہیں، صرف سمجھ میں زیادتی ہے، لہذا ہم ناظرین کو وہ اثر دکھلانا چاہتے ہیں جو فہم کی زیادتی کے سبب سے حیوان ناطق یعنی انسان پر پڑا ہے۔

یہ اچھے بُرے میں تمیز کرتا ہے نفع اور ضرر کی حقیقت پہچانتا ہے، اسی وجہ سے پابندی قانون کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ چند اجزا کو ترکیب دیکر نئی شے تیار کرتا ہے، قدرتی اشیا میں ترکیب دیکر خوشنمائی کا فائدہ حاصل کرتا ہے، خواص اشیا جو نظر سے پوشیدہ ہیں معلوم کرتا ہے

اسی طرح پر چھپی ہوئی قوتوں کا پتہ قدرتی اشیا میں لگاتاہے، دقائق اور حقائق موجودات دریافت کرنا خصوصیات عقل انسانی سے ہے۔ انسانی خیال نے تمام قدرتی اشیار کو اس طرز پر گھیر لیا ہے جیسے ہوا محیط ہے اور مفید مطلب چیزوں سے طرح طرح کا سامان تیار کیا جو اشیا ہمکو نظر آرہی ہیں اسی انسانی تصرف اور اوسکی جدت طبع کا نتیجہ ہے بازار اور عجائب خانے اسی قسم کی مخترعات ست پر ہیں انکو دیکھکر خود انسان ہی کو حیرت اور تعجب پیدا ہوتا ہے۔

ابھی تک تو انسانی تصرف نباتات اور جمادات میں بیان کیا گیا ہے، حیوانات اگرچہ ہر اعتبار سے یکساں ہیں صرف عقل کم رکھتے ہیں مگر ان پر انسان کو جو اختیار ہے نہایت ہی تعجب خیز ہے۔ کوئی تو اشارہ پر چلتا ہے کوئی زبانی حکم پر دوڑتا ہے، کوئی بہ حالت قید سخت مشقت کھینچ رہا ہے جسکی چاہیں کھال اُتاریں جس کا گوشت مرغوب ہو کھادیں نافرمانی پر غصہ ہوں تو بلا مواخذہ ڈر کے گولی ماردیں، دودھ استعمال کریں، ہل میں گاڑی میں چلادیں

ان تصرفات اور اختیارات پر نظر کرتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ اس وسیع دنیا میں پیدا کیا گیا انسانی دعوت کا سامان نہیں ہے۔ جو کچھ خطرہ کامل اختیارات میں ہوتا تو حیوانات ہی کی طرف سے ہوسکتا تھا، اون پر ہمارے غلاموں کو وہ تصرف قدرت نے عطا کیا ہے جو ہمکو غلاموں پر بھی حاصل نہیں ہے۔

نباتات میں حس کا مادہ نہیں ہے، مگر قدرت نے انسان کی شان امتیازی کو اوس میں ملحوظ رکھا ہے، گویا انسانی شرافت کو اپنی طرف مسلم ہونے کا اشارہ عقل سلیم کو کیا گیا ہے پھل اور غلہ نباتات کا جوہر اعلیٰ ہے لہذا خورش انسانی کو تجویز ہوا ہے، بھوسہ پتے نباتاتی

فصلہ ہے اور حیوانوں کی غذا ہے۔

ہمارا دست تصرف سمندر کی سطح سے گذر کر اوس کی تہہ تک پہونچا ہوا ہے، پہاڑ کی اونچی چوٹی اور اس کی معدنیات پر بلا مزاحمت ہمارا قبضہ ہے۔ حیوانات کو ہماری غلامی کا بھی شرف حاصل ہونیکی قابلیت نہیں ہے قدرتی اشیا میں ہماری شان سرداری جلوہ نما ہے۔ چاند سورج بندہ بے درم کی طرح بہ پابندی اوقات ہماری خدمت میں سرگرم ہیں۔ پانی، ہوا وہ خدمات توانجام دیتے ہی ہیں جو قدرتی طور پر اون پر واجب ہیں۔ علاوہ بریں ہماری خدمات ساییدگی خود ہمارے ہی اختیارات کے محکوم اون کو کرنا ہوتی ہے

ہم یہ دعوی نہیں کرتے کہ ہم نے دنیا کو بنایا ہے۔ مگر دنیا کی صورت حال خود پکار کر کہہ رہی ہے کہ دنیا ہمارے واسطے بنی ہے۔ قدرت نے ہمارے مختارانہ قابو کی رعایت کسی مصلحتی بنا پر دنیا وما فیہا میں کھلے ہوئے طرز پر نمایاں کی ہے۔ نہ تو کوئی شے ہمارے تصرف سے باہر ہے نہ کوئی دوسرا ہمارے کامل اختیارات اور قابو کا ہارج اور مانع ہے گویا یہ ہمارے باپ کی جاگیر ہے یا ہم بنانے والے کی جانب سے انچارج ہیں ذرا انسانی چہرہ پر غور کرو۔ حسن اور خوبیوں کے اعتبار پر اوسکو تمغہ شرافت کہنا زیب دیتا ہے

انسان کے تصرف خاص کیوجہ سے باہمی کشمکش ورنجش کا بیان

دنیا میں حیثیت انسانی کا نقشہ کھینچکر ناظرین کو دکھلایا گیا ہے مگر یہ نقشہ خود بنی نوع انسان کی حالت پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا ہے، لہذا اسوقت تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ واقعات سفر سے مشابہ ہے۔ منزل کے حالات منکشف ہونیکی ضرورت ہے۔

یہ تو ظاہر ہوچکا ہے کہ قدرتی اشیا پر انسان کا قابو پہونچتا ہے۔ انسان نے جب اتنا بڑا جو لانگاہ بلا مزاحمت دیگرے پایا تو اپنی عقل رسا کو کام میں لاکر ہزارہا قسم کے سامان کا اختراع کیا۔ اس طرح پر ہزاروں پیشہ اور کاموں کی بنا پڑ گئی، ہر ایک آدمی نے مناسبت طبیعت کے موافق پیشہ اور کام اختیار کر لیا۔ چنانچہ ایک آدمی کی حاجت روائی کے واسطے ہزاروں ہاتھ دور دراز مقامات پر کام کرتے رہتے ہیں۔ یورپ ایشیا کا کسی ضرورت میں حاجتمند ہے، تو دوسرے کام میں ایشیا یورپ کا دست نگر رہتا ہے۔ اس تعلق سے باہمی ارتباط کی راہیں تمام دنیا میں کشادہ ہوگئیں۔ ہم بنگال کے چھوٹے بازار میں ایک غریب کو لندن کے پارچہ کا کرتا و جاپانی کپڑے کی اچکن لودھیانہ کا جوتا دہلی کی ٹوپی زیب تن کئے ہوئے ناروے کی دیا سلائی فروخت کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ یورپ کے فلاسفروں نے شہرت یا فائدہ کی چاٹ پر حال ہی میں اس قدر مخترعات کا اضافہ کیا ہے کہ ہماری ضروریات کا دائرہ حد سے زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔

جب ہم اپنی آپس کی ذمہ داری دیکھتے ہیں تو اپنی حالت بیحد نازک پاتے ہیں ہماری آنکھ تک کے اشارہ پر اخلاقی سیاست کی سخت گرفت کا خوف لگا ہوا ہے۔ ایک بات کرتے ہوئے چار باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کوئی صحت لفظ اور محاورہ میں عیب جوئی کرتا ہے کوئی اخلاقی معیار پر پرکھتا ہے، گورنمنٹ کے خلاف ہو تو قانونی مواخذہ کا اندیشہ ہے، برادری کے خلاف ہو تو عداوت کا ڈر لگا ہوا ہے۔ ایک حلق پر پولیس کی ایکچو کی محافظ ہے۔ حرکت حرکت قدم قدم پر کسی ضابطہ کی پابندی لازم ہے۔ چاہیں تو باتوں کے دریا بہادیں، حرکت کریں تو چین و جاپان زیر قدم ہے، اگر ذمہ داری سے چھٹکارا کبھی اور کہیں نہیں ہے۔

اس دوران میں کہ ہم اپنے پیشہ میں مشغول ہوتے ہیں، ہمارے افراد قومی کے ہاتھوں ہمکو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے، مکار دغاباز وں کا فریب چل جاتا ہے تو کچھ حصہ ہماری پسینہ کی کمائی کا اون کی نذر ہو جاتا ہے، ہمکو چور اور ڈاکوؤں کا خوف بھی رہتا ہے بعض اوقات اون سے جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا ہوتا ہے۔ بے ایمان حریص ہماری تاک میں رہتے ہیں اگر اون کے جال میں پھنس گئے تو بغیر کچھ بھینٹ چڑھائے خلاصی محال ہے خود غرض جھوٹے تعلقات باہمی میں مخل عافیت ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی زبردست لوگ ظلم کا ہاتھ بڑھا کر سرمایہ راحت تلف کر دیتے ہیں لیک ہم ہیں اور ہزار آفتیں ہیں ہماری عاقبت ہمارے ہی ہاتھ سے بڑی خطرناک حالت میں گرفتار ہے، اگر ان آفتوں پر صبر کریں تو سب حاجتوں اور تمناؤں سے دست بردار ہوں، لڑیں تو چین وآرام کو خیرباد کہیں۔ ع

دنیا مثال بحر عمیق ست پر نہنگ

جس وقت ہم نے اپنی نوع سے علیحدہ ہو کر اپنی حالت کو دیکھا تھا تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ ہمکو نظر آرہا تھا کہ قدرت کی فیاضی ہمارے اوپر ختم ہو گئی۔ جو کچھ قدرت نے پیدا کیا ہمارے حوالہ کر دیا خود ہم نے عجیب وغریب مصنوعات کرکے گھائے مراد سے اپنی جھولی لبا لب بھرلی۔ ہم نے اپنی شرافت اور حکومت کی نشانیوں کو اپنی سورت اور قدرتی اشیاء میں پایا۔

اب جبکہ ہم اپنی ابنائے جنس کی ہمراہی میں اپنی حالت پر غور کرتے ہیں تو قبائے عافیت ہمارے جسم پر تنگ نظر آتی ہے وہ عقل جس نے تمام جہان میں تصرف کر رکھا ہے یہاں آکر اس کا قافیہ تنگ ہے خود ہماری ہی ذات میں وہ اسباب موجود ہیں جو ہماری راحت کے دشمن ہیں

آپس کی بے چینی دیکھکر اصلاحی کوشش کی ابتدا

جو کچھ ہم نے دیکھا تھا اب خواب پریشان کا لطف دکھا رہا ہے، مضطربانہ حالت ہے۔ طرح طرح کے فاسد خیالات گذر رہے ہیں۔ ہم نے قدرتی انعام دیکھکر جو لمبی چوڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں وہ ہمکو شیخ چلی کا گھڑا معلوم ہو رہی ہیں، یہ بھی خطرہ گذرتا ہے کہ کہیں قدرت نے بڑی ڈالکر کتے لڑانے کا تماشا تو نہیں دیکھا ہے۔ ہم آزادی کے دلدادہ تھے، دل خوش کن امیدیں ہر وقت خیال کو تازہ اور خوش رکھا کرتی تھیں جب ایسی الجھن میں گرفتار ہو گئے تو یہ حالت اضطراری ہم نے کوشش کی کہ زور لگا کر دنیوی تعلقات باہمی کی زنجیریں توڑ کر علیحدہ ہو بیٹھیں مگر ہمکو وہ جکڑ بند نظر پڑے جن کا یکدم توڑنا ہماری قوت سے باہر نظر آیا تب ہم نے یکے بعد دیگرے توڑنے کا ارادہ کیا۔

اول پیشہ کی قید سے آزاد ہوکر ہم نے غور کیا کہ ہماری حالت پر کیا اثر پڑے گا، ہمکو معلوم ہوا کہ جسم کا کپڑا مکان رہائش بلطیف انفذیا ہمکو پیشہ کی امداد سے ہم پہونچ رہی ہیں لہذا پیشوں سے آزادی کا نتیجہ درخت یا آسمان کے نیچے پھل پتے گھاس کھا کر ننگے بدن اوقات گذارنا نظر آیا۔

اہل قرابت احباب اور عیال و اطفال سے جدا ہوکر جب ہم نے اپنی حالت کو دیکھا تب بھی گوناگوں خطرات اور بے چینی کی صورتیں دکھلائی دیں فکر معاش اور دنیا کی سیر دشوار نظر آنے لگی۔ ہماری غیر حاضری میں ہمارا مال ہر وقت خطرہ میں نظر آیا، نہ تو بیماری میں تیمار دار کا پتہ نہ مصیبت میں مددگار کا نشان۔ مرنے کے بعد وہی انجام جو اب جانوروں کا ہوتا ہے

نظر آیا، اب ہم نے سمجھ لیا کہ انسانی حالت ان قیود کو چاہتی ہے اور ان سے آزاد ہونیکی کوشش کرنا انسانیت سے خارج ہونیکے خیال میں گرفتار ہونا ہے۔

اب عقل پھر ہماری رہبر بنی ہماری گھبراہٹ بھی کچھ کم ہوگئی۔ اور ہم نے دوبارہ اپنی حالت پر نظر کی تو ہمکو تمام قدرتی کام عیب سے مبرا اور حکمت سے پر نظر آئے، ہمکو یہ بھی دریافت ہوگیا کہ جس عیب کو ہم قدرت کی طرف سے سمجھ رہے تھے فی الحقیقت وہ نقص ہماری ہی ذات کا تھا، اس موقع پر ہمکو عقل نے بہت بڑا کارآمد سبق دیا وہ یہ کہ تمہاری شرافت تمہاری حکومت مسلم دنیا کو تمہاری عقل نے جس معراج کمال پر پہونچایا ہے، ہر شخص پر روشن ہے، تمہارے عیش کا روک ٹوک کرنیوالا پیدا نہیں کیا گیا، تمہاری تلخ عیشی کا باعث خود تمہاری ہی ذات ہے، تم خود اپنی اصلاح کرلو سب کچھ تمہارا ہے ورنہ خود ہی قصوروار ہو اپنے پیر پر کلہاڑی چلانیکے مجرم ہو، کیا تم نے بڑے بڑے کام کرکے اپنی ذمہ داریاں خود نہیں بڑھائی ہیں، کیا تم ذمہ داری کے اہل نہیں ہو، کیا تمہاری شکایتیں خود تمہاری ہی خوش تدبیری سے کم نہیں ہو جاتیں؟ کیا تمہاری غفلت سے تمکو نقصان نہیں پہونچتا۔ قدرت نے کسی بڑی مصلحت پر تمکو اپنی اصلاح کار کا ذمہ دار بنایا ہے، قدرت نے تمکو قدرت شامہ دی ہے، عطر اور پھول کی طرف تم رغبت رکھتے ہو مگر غلاظت اور بدبو سے دور بھاگتے ہو۔ آنکھ قوت بینائی رکھتی ہے خوشنمائی اور سبزہ زاروں کا لطف اٹھاکر محظوظ ہوتی ہے، اوسرا اور نشیب و فراز سے بچا رہنا اوس کا ذمہ دارانہ فرض ہے۔ عقل اشیا کے پوشیدہ خواص نامعلوم قوتیں دریافت کرنے پر قادر ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے کمال کی بنا پر خود اپنی ہی ذات کی اصلاح کی قدرت کیطرف سے ذمہ دار نہ ہو، اب ہم اس نتیجہ پر پہونچگئے ہیں کہ قدرتی اشیاء اور اپنی مصنوعات کا لطف اٹھانا ہمارا حق ہمارا حصہ ہے، جو اسباب ہمارے مخل راحت ہیں وہ خود ہماری غلط کاری سے وابستہ ہیں

ان خرابیوں کے دفعیہ کی تدابیر بھی کرنیوالا کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہی ہمارے واسطے اچھا ہے ورنہ ہمکو جانوروں کی طرح اوس کا محکوم ہونا پڑتا اسلئے غفلت سرزد ہونیکی ذمہ داری بھی ہمیں پر عاید ہوتی ہے، ہماری آیندہ امیدیں جس طرف نگاہ شوق سے تک رہی ہیں وہ مدعا جب ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ جبکہ ہم اپنی اصلاح میں کامیاب ہوں جس نسبت سے ہم صلاحیت حاصل کرلیویں گے اوسی نسبت سے مقصد برآری کی صورت پیدا ہوجاوے گی۔

اصلاحی ضرورت کی جستجو میں علم فلسفہ پر محققانہ نظر

جب ہم نے اپنا سب گڑ لات ہوتے دیکھا تب ہم ہمہ تن اپنی اصلاح کار میں متوجہ ہوئے، ہمکو وہ علوم وفنون معلوم ہیں جو فلاسفروں نے ایجاد کئے ہیں، ہمکو اونکی مخترعات نے محو حیرت بنا رکھا ہے۔ ریل، تار، ہوائی جہاز دیکھکر عقل دنگ ہوتی ہے اونکی تازہ مصنوعات بھی نظر سے گذرتی رہتی ہیں اونکے کارنامے بھی ہمیشہ سنا کرتے ہیں بدینوجہ سب سے پہلے ہمارے دلمیں یہ خیال گذرا کہ یہ آدمی ہیں بہ اعتبار ضرورت ہمارے شریک کار ہیں علم وعقل میں اونکو کافی امتیاز حاصل ہے ضرور کوئی علم ایسی مصلحت کیلئے ایجاد کیا گیا ہوگا یا اونکا دستور العمل ایسی اہم ضرورت کیواسطے رائج ہوگا یا کوئی مشین ہی اس مطلب کی خاطر تیار ہوگی، ہر چند جستجو کی جواب نفی میں پایا۔

یہ تو ہم اکثر دیکھا اور سنا کئے ہیں کہ انکی محنت کے نتیجہ نے ہماری حاجت کی فہرست میں کسی نہ کسی شئے کا اضافہ کیا مگر اسوقت ہمکو یہ تحقیق ہوا کہ وہ ضرورت جسپر ہماری اونکی بلکہ تمام افراد انسانی کی زندگی کے چین وراحت کا مدار ہو اوسنے چھوٹی بڑی ہو تو دنیا کے اندر اونکی حیثیت ہماری نظر میں تعلیم یافتہ کمہار سے زیادہ نہ باقی رہی کیونکہ اونکے تصرف عقلی سے ہمکو خوشنما اور جدید قسم کا سامان ہم پہونچتا ہے، ہمارا خیال تبدیل ہو گیا

ہمکو انکے عیوب بھی نظر آنے لگے ایک فلاسفر دوسرے کے اصول کی تکذیب کرتا ہے اسطرح پر اونکے اصول کا ساقط الاعتبار ہونا بھی خود انہیں کے فعل سے پایا جاتا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک جتنے فلاسفر گذر چکے ہیں اونکی تعداد بھی انسان کو معلوم ہونا دشوار ہے، اونہوں نے عمریں دنیا کے عجائبات اور حقایق کی تلاش میں صرف کیں اور اب تک اونکی سعی ناتمام جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہیگی پھر بھی ناتمام ہی رہیگی۔

اس موقع پر ایک کارآمد اصول کا ثبوت ملتا ہے۔ تجربہ میں آیا ہے کہ عقل کو اظہار عجز میں بڑا تکلف رہتا ہے، یہ اپنی شان کو کسی دقیقہ کے سمجھنے میں کسی حد کا مانع سمجھنے میں ہمیشہ انکار نہ عادی ہو مگر جب عقل کی پرواز حد مقررہ سے متجاوز ہوتی ہے فتور کا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس موقع پر عقل انصاف کی عینک لگا کر محض عالم مادی کے عجائبات دریافت کریں ایسے افراد ذی ہوش کے مسلسل ہزاروں برس کی جانکاہ کوشش اور اسکے ادھورے نتیجہ کو دیکھے بعدہ مزید ثبوت کی ضرورت اپنی رسائی کی حد معلوم کرنے میں باقی نہیں رہ سکتی ہے۔

ہم نے جب اپنی مطلب براری کی نشانیاں فلاسفروں کے کلام میں نہ دیکھیں تو سمجھ لیا کہ فلاسفر کی جدوجہد غرض محدود تک ہے، مگر ہمتو چین کی جستجو میں بیچین ہو رہے ہیں ہمکو قرار کہاں لہذا ہمارا خیال بادشاہت کی طرف پہونچا۔

حصول مدعا کی تلاش میں بادشاہت پر محققانہ نظر

عظیم الشان قلعہ جات طرح طرح کے محکمہ جات، فوجی سامان اور گوناگوں طمطراق سے بادشاہت کی عظمت ہمارے دلمیں تھی، ہمنے چوروں ڈاکوؤں کو سزایاب ہوتے دیکھا۔ خاندان میں تمام مردم

اور بدنیتی پر سزا تجویز پائی امن کی حمایت حقوق کی حفاظت کا کام ہمیشہ کچہریوں میں ہوتا ہوا پایا گیا۔ کچھ جھلک مفید مطلب نظر پڑی اطمینان کی صورت ظاہر ہوئی تو ہم نے ایک عمیق نظر ڈالکر ارکان بادشاہت کا مطالعہ کیا۔ اب ہمکو معلوم ہوا کہ جو کچھ عالی شان عمارات، زر و جواہر قیمتی اشیا اہل خدمت حشم و خدم کے مصارف ہیں یا ہمارے ہی محنت اور جانفشانی اونکی کفیل ہے ہماری ہی تکلیف اس راحت کا سامان بہم پہونچاتی ہے۔ دنکی تن آسانی، فضول خرچی نفس پرستی ترک شان ہماری مشقت نفس کی محتاج ہے۔ جب اعلیٰ ارکان سلطنت کا حال دیکھا تو سمجھ میں آگیا کہ کم درجہ لوگ ایسے حکمرانوں کے ماتحت کام کرینگے۔ اونکو ان کے نقش قدم پر چلنا ضروری اور فطرتی ہے۔ پھر تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ہمارا خیال صحیح ہے بلکہ جب کم درجہ لوگ اپنا دامن حرص سرکاری اجارہ سے پُر کرنے پر قناعت نہیں کر سکتے ہیں تو اپنے غلبہ اور قوت کو بجائے خدمت رعایا کے اپنی ہوس رانی کا ذریعہ بناتے ہیں، ہماری ضروریات کا بڑا حصہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور انہیں کی نیک بختی پر ہماری راحت اور حق رسی زیادہ موقوف ہے۔

قیام امن پر قیام بادشاہت منحصر ہے، بنیاد امن کے استحکام کے ساتھ ساتھ بادشاہت کی جڑ مضبوط ہوتی ہے، امن نہ رہنا اور سلطنت نہ رہنا ایک معنی رکھتا ہے۔ قدرت نے یہ اصول اچھے قائم کر رکھے ہیں جس کی وجہ سے نظام امن بادشاہت کو ضرورتاً کرنا ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قدرت امن کو چاہتی ہے۔ ہم نے جسم سلطنت جامۂ امن سے مزین پایا مگر جسم میں کچھ خود غرضانہ آثار نظر پڑے۔ تاہم ہمکو اقرار ہے کہ جو فائدہ سلطنت سے پہونچ رہا ہے قابل مشکوری ہے اور اون کو تسلیم نہ کرنا کفران نعمت ہے۔ جو کچھ سلطنت کا عیب دوران تحقیقات میں ظاہر ہوا

لکھدیا گیا ہے۔ ہمکو ایسی فروگذاشت پسند نہیں ہے جسمیں ہم اپنے ابنائے جنس کے حقوق کی خیانت کے مجرم متصور ہوسکیں۔

امرا اور سوداگروں میں حصول مدعا کی جستجو

جب سلطنت کی طرف سے بھی نا امیدی کے آثار دیکھے گئے تب ہم نے بڑے بڑے امرا اور میر کبیر و دکانداروں کی طرف توجہ کی۔ ہمکو خیال ہوا کہ ان لوگوں کی خوش تدبیری امارت کا سبب ہے اور تدبیر کا کمال عقل کے کمال پر موقوف ہے، ہمکو جس کام کی تلاش ہے وہ عقل کی عقدہ کشائی کے واسطے جملہ امور پر مقدم مرحلہ ہے۔ کیونکہ تمام گروہ انسانی کے رنج و راحت کا فیصلہ اوس پر موقوف ہے۔ ہمکو جس جگہ عقلی ذرائع زیادہ معلوم ہوئے وہیں ہم نے اپنے اغراض کے آثار پر غور کیا۔

امرا کو دیکھا تو خواہشات نفسانی اور اغراض ذاتی کی دہن میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہیں اور سوداگر مال چڑھانیکی حباب توڑ کوشش کے سودائے خام میں از خود رفتہ ہیں۔

قصہ کوتاہ ہم نے دنیا میں جسکو شان و شوکت والا پایا جسکی وجاہت نے ہمارا دل اپنی طرف مائل کر لیا، روپیہ کی کثرت معلوم ہوئی، اسباب کے انبار نظر پڑے اوس کے یہاں ہمکو اپنے مطلب کا سراغ نہ لگا تب ہم نے سوچا کہ کیا سبب ہے جہاں سونے چاندی مال و اسباب کے خزانے ہیں اون کا کوٹھار ہمارے درد دل کی دوا سے خالی ہے۔ دوا بھی ایسی کہ تمام نوع انسانی کے آرام کا راز جسمیں مضمر ہے مگر ذیل کے وجوہات سے ہمکو اصلیت معاملہ کا پتہ چلگیا۔

سب طرف سے مایوس ہوکر اسباب نزاعی کی تنقیح

زر۔ زمین۔ زن جھگڑہ کی جڑ مشہور ہیں۔ مگر ہم زن اور زر دو ہی سمجھتے ہیں اور زمین کو زر کے

ضمن میں تصور کرتے ہیں۔ تمام جذبات اور دنیوی اغراض کا تعلق زن اور زر سے ہی پایا جاتا ہے اون کی طلب میں ناروا اور ناجائز طریقے اختیار کرنیکا خیال گذرتا ہے اور اس طرح جھگڑہ کا سنگ بنیاد نصب ہوتا ہے، جب عملی کارروائی شروع ہوئی بدامنی ظہور پذیر ہوتی ہے۔

روپیہ تمام ضروریات رفع کرنیکا آلہ ہے۔ اسلئے جو فتنہ عورت سے متعلق ہے اوس میں بھی روپیہ سے امداد ملتی ہے۔ اسلئے یہ کہنا ایک حد تک بیجا نہیں ہے کہ تمام دنیا کے جھگڑے کے اسباب مال کی زیادتی سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امرا میں ہمکو اپنی غرض کے آثار نظر نہ پڑے۔ ہمکو اگر خودغرضی کی تلاش ہوتی تو وہاں جاتے۔ ہم تو شہد کی تلاش میں زنبور کا چھتہ ڈھونڈھ پھرے۔

ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ جتنے مالدار ہیں سب خراب ہیں بلکہ جب مال جملہ انسانی حاجات میں بڑا کارآمد جزو ہے تو اچھے کام میں بھی مال سے امداد ملتی ہے۔ ہاں اس قدر نتیجہ نکلتا ہے کہ مالداری میں خرابی کے اسباب کا اجماع بکثرت پایا جاتا ہے۔ جب تک اخلاقی قوت ایسی مہذب نہ ہو کہ جو فتنے مال کی زیادتی سے پیدا ہوں اونکو انسان بطریق احسن دبا سکے۔ مال کا نفع اس وقت تک ظاہر نہیں ہوسکتا ہے ضرر نمودار رہوتا ہے۔

ایک کارآمد اصول کا سراغ

غور کرنے سے ہر قسم کی گتھی سلجھ جاتی ہے۔ محنت سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ تجربہ سے وہ سوجھ بوجھ ہوتی ہے جو وہم و خیال کی رسائی کے پرے ہو۔ ہمکو سر مغززنی کرتے عرصہ گذر گیا جو غلطی تحقیقات میں ہم سے سرزد ہوئی وہ بھی دریافت ہوگئی ہم اب اوس بازار کے گرد قدم نہ رکھیں گے جہاں جو فروشی گندم نمائی کا طریق رائج ہے۔ اس تگ و دو میں ہمکو ایسے اصول کا پتہ چل گیا ہے

جسکے سہارہ سہارہ چل کر ہم منزل تک پہونچ سکتے ہیں۔

ہم نے طبیب لوگوں کو دیکھا کہ معالجہ میں ضد سے کام لیتے ہیں یہ دیکھکر ہم نے سبق حاصل کیا اور اکثر چیزوں کی ضد کو اون کے مقابل لاکر تجربہ کیا تو قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا کہ ہر ضد کی ترقی سے مقابل کمزور ہو جاتا ہے ہمکو جو کچھ تکلیف ہے وہ ہمارے ہی عیبوں کی وجہ سے ہے۔ اسلئے ہمنے اپنے عیب اور ان کے مقابل صفات کو تلاش کیا تاکہ ہم اپنے درد کی دوا کا نسخہ بناکر استعمال کریں۔

ہم نے سب سے پہلے خود غرضی کا عیب اور اوسکی ضد ایثار نفس کی صفت کو منتخب کیا، خود غرضی اپنی خواہشات پورا کرنیکے خیال میں دوسروں کے اغراض کی پامالی کے ذمہ وارانہ فرض کو نظر انداز کرنے کو کہتے ہیں۔

ایثار نفس دوسروں کی نفع رسانی کے خیال میں اپنے ضرر پر بخوشی رضا مند ہونیکا نام ہے یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی ترقی سے دوسریکی کمی ہوتی ہے جس طرح ہر انسان اپنی غرض عزیز رکھتا ہے اوسی طرح مصلحت انسانی کی بنا پر دوسروں کی جائز اغراض کا لحاظ معاملات میں رکھے تو یہ اصول گو اس وقت نہیں کسی دوسرے موقع پر اوسکو وہی فائدہ پہونچا دیگا جو دوسروں کے لئے اس وقت اوسکو مد نظر ہو رہا ہے، ورنہ جو کچھ وہ دوسروں کے واسطے تجویز کر رہا ہے، کبھی وہی دوسرے اوسکے واسطے تجویز کریں گے۔ اسلئے دوسروں کا نفع چاہنا اپنا اور پرایا بھلا چاہنا ہے اسی طرح دوسروں کا نقصان چاہنا اپنا اور دوسروں کا نقصان چاہنا ہے۔

ذرا خود غرضی سے علیحدہ ہوکر ایثار نفس کی ہمراہی میں دنیا کی عالت کا تصور کرو تو تمام افراد انسانی اپنے اپنے حال میں خوش و خرم نظر آتے ہیں، اب ہم نے سمجھ لیا کہ ایثار نفس کی ترقی سے

خود غرضی مٹ سکتی ہے، اور خود غرضی کا دور ہونا ہماری کامیابی کا جزو اعظم ہے۔

جب ہمکو اوس نسخہ کے اجزا، کا جزو اعظم دستیاب ہوگیا جسکی تلاش میں ہم نے سر گردانی برداشت کی تھی، تو ہماری ہمت قوی ہوگئی اور ایسے آثار نظر پڑے کہ اب ہم وہ دوا ڈھونڈھ نکالیں گے جو ہمکو امرا کے خزانہ میں نہ مل سکے۔

تجربہ سے یہ بھی سمجھ لیا کہ جس جگہ ہمکو یہ دوا ملے گی وہاں اسی قسم کے دوسرے امراض کا شفاخانہ بھی ضرور ہوگا۔

کارآمد اصول کا انکشاف اور اُسکے سہارہ پر مزید تحقیق

اب ہم نے ایسے لوگوں کی جستجو کی جو صفت ایثار نفس سے آراستہ اور خود غرضی سے مجتنب ہوں، ہم نے ایسے لوگوں کا تلاش کرلینا ایسا سمجھا کہ گویا اپنی مقصد برآری کی کنجی ہاتھ آگئی۔ کیونکہ جو کچھ اور ہمکو مطلوب ہے وہ بھی انہیں کے پاس دستیاب ہونیکی امید پائی گئی۔

اب ہم نے ایسے لوگوں کی تلاش کا سلسلہ جاری کیا، کیونکہ ہمکو یقین ہوچکا ہے کہ حصول مدعا کا ذریعہ انہیں کی تلاش پر منحصر ہے چنانچہ بسلسلہ تحقیقات ہم نے ایسے آدمیوں کو پایا جو کسی مذہب میں راسخ الاعتقاد ہیں، علم مذہبی علما اور فقرا کی صحبت یا بذریعہ تعلیم اون کو حاصل ہوا ہے محض علم پر اکتفا نہیں ہے بلکہ عمل بھی اون میں پایا جاتا ہے، کثرت عمل سے اوس عمل کا اثر اون کی عادات تک پہونچا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں میں حصول مدعا کا سراغ لگا۔ ان کی خصائل پسندیدہ سے دماغ کو بوے خوش اور دل کو فرحت پہونچی، اور ہمکو اب سکون ہے۔ کیونکہ ہم نے اب سمجھ لیا ہے کہ ہم منزل مقصود تک پہونچ گئے ہیں۔

حصول مدعا میں خامی مذہبی تحقیقات کی ضرورت

کچھ ہی عرصہ بعد یہ خیال ہوا کہ اگر تمام دنیا کا مذہب ایک ہوتا یا سب مذہبوں کی تعلیم کا اثر یکساں ہوتا۔ تب تو ہمکو اپنا مدعا مل ہی چکا تھا، مگر ایک مذہب دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ تعلیمی اثر کا رنگ بھی جداگانہ ہے۔ لہذا ایک تحقیقات سے فارغ ہوکر دم راست نہ کرنے پائے تھے کہ دوسرے کی ضرورت درپیش ہوگئی۔ کچھ معمولی بات بھی نہیں ہے۔ صداقت مذہبی کا فیصلہ کرنا ہے۔ جس میں تمام دنیا ابتدائے آفرینش سے مصروف رہی ہے، اور ہنوز روز اول ہے۔ بات تو بیشک بعید دشوار ہے۔ مگر ہمت ہار جانا مردانگی سے بعید سمجھا۔ چونکہ مذہب دنیا میں باعتبار ضرورت جملہ امور پر مقدم سمجھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے بھی "بیک کرشمہ دو کار" کا بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

صداقت مذہبی پرکھنے کی کسوٹی

ہم اپنی گذشتہ تحقیقات میں کتاب آفرینش کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کر چکے ہیں۔ ہم نے یہ تو سمجھ لیا ہے کہ ہماری نازک ضروریات باہمی زبردست اور بہترین اصلاحی دستورالعمل کی محتاج ہیں، اس لئے حاجت تو ہمارے علم میں ہے۔ لہذا صحت اصول مذہبی کی معیار خود ہمارے ہی خزانہ خیال میں موجود ہے۔ پرکھنا باقی ہے۔ قدرت نے ہماری ذات میں ایسی قوتیں پیدا کر دی ہیں کہ کوئی دوسری مخلوق ہمارے مقابلہ پر آ کر ہمارے کسی کام میں مخل نہیں ہوسکتی۔ سب کو ہمارا محکوم اور تابعدار کر کے رکھا گیا ہے۔ ایسے تصرف کلی کی استعداد کے ساتھ ساتھ عقل ایسی عطا کی ہے کہ خود ہم نے طرح طرح کی ایجادات کر کے اپنی آسائش اور آرام کا سامان تیار کیا ہے۔ پانسو برس کا مردہ اگر زندہ ہو جاوے۔ تو یقین نہیں کرسکتا ہے کہ یہ وہی دنیا ہے جہاں وہ اپنی زندگی بسر کر چکا ہے۔ دنیا نے زمین کا وسیع دسترخوان ہماری مہمانداری کو بچھایا ہے۔ اگر ہمکو اپنے ہی باہمی تنازعات نہ ہوتے تو ہم جو کچھ خوش نصیبی پر ناز کرتے بجا ہوتا۔ اس لئے ہمکو یقین آگیا کہ جس مذہب

کے اصول جھگڑا مٹانے میں مفید ترین ہوں۔ سلوک اور محبت پیدا ہونے کی رعایت بہ طریق احسن رکھتے ہوں وہی مذہب ہم سچا سمجھیں گے کیونکہ جھگڑا اندر ہے۔ تو سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس پر تمام دنیا متفق ہے کہ جھگڑے کی جڑ زن اور زر ہیں یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خودغرضی دفع کرنے سے جھگڑا رفع ہو جاتا ہے۔ اور ایثار نفس کی زیادتی خودغرضی دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

دنیا کی کسوٹی پر صداقت مذہب کی جانچ

یہی کسوٹی ہے جو کہ ہم نے اصول مذہبی کی صداقت کی جانچ کے واسطے تجویز کی ہے۔ یعنی کسی مذہب کی جانچ کے وقت ہم یہ غور کریں گے کہ اس مذہب کے اصول فتنۂ زر و زن مٹانے کا کیا اور کس طرح پر بندوبست کرتے ہیں۔ اور اون کا کیا اثر ہے یا ہو سکتا ہے۔ مادہ ایثار نفس کے پیدا کروانے میں کیا رعایت ہے اور خودغرضی دفع کرنے کا کونسا طریقہ رکھا گیا ہے جس مذہب میں بہتر طریقہ پر ان امور کا لحاظ ہے وہی مذہب ہم سچے سے سچا تصور کر سکتے ہیں کیونکہ دنیا میں ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ اور اسی نظام کے بغیر سب ہیچ ہو رہا ہے۔

مذہبی کسوٹی پر صداقت کی پرکھ

کسوٹی تو تیار ہو گئی، فکر یہ ہے کہ ابتدا کس طرز پر کی جاوے۔ تاکہ تھوڑی دقت اٹھانا پڑے اور کام بخوبی تمام سرانجام ہو جاوے۔ ہمارے آبا و اجداد مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔ ہمکو اپنے مذہب کے اصول [illegible] اچھی طرح معلوم ہیں۔ لہذا اسلام سے ہم نے ایسے اصول کا انتخاب کیا جو مختص اسلام ہیں [illegible] وضع پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اون کی تعریف بھی [illegible]

لکھنا تجویز کرلیا۔ تاکہ اگر کسی کو کچھ شبہ تخصیص میں ہو تو جانچ سے دفع ہوسکے۔ یہ مسائل سود، ذکاۃ اور پردہ ہیں۔ چنانچہ ایک ایک کی تعریف اور فوائد کا بیان انشاء اللہ کیا جاویگا

اس طرح یہ مذہبی تحقیقات میں سہولیت نظر پڑتی ہے۔

سود کا بیان

سود ایک جنس قرض دیکر وہی جنس کچھ زیادہ ٹھیرا کر لینے کو کہتے ہیں، قرض خواہ اور قرض دہندہ میں شرح زیادتی معاہدہ کے وقت تجویز ہو جاتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ سود اوس وقت لیا جاتا ہے جبکہ موجودہ سرمایہ ضرورت لاحقہ کو کفایت نہ کرے اسی طرح قرض دہندہ دوسرے کو اپنا روپیہ اوسی وقت دے سکتا ہے کہ حاجت سے فاضل روپیہ اس کے پاس موجود ہو۔

قرضخواہ حاجت مند ہے۔ بحالت غرض سود خور سے روپیہ کی التجا کرتا ہے سود خور روپیہ بڑھانے کے خیال میں قرض دیتا ہے۔

اہل حاجت مجنون ہوتا ہے۔ قرض دہندہ مطمئن، لہذا شرائط معاملہ حسب دلخواہ قرض دہندہ طے ہوتے ہیں۔ یہ تخم اپنا زہریلا اثر وصول کے وقت ظاہر کرتا ہے جب آمدنی یا سرمایہ کافی نہ ہوا تو قرضہ کی حاجت ہوئی۔ قرضہ نے صرف کا اضافہ کردیا۔ جو آمدنی سیر بھر بوجھ نہ برداشت کرسکی اوس پر اب سوا سیر بوجھ اٹھانا لازم ہوگیا۔ شرائط حسب دلخواہ قرض دہندہ ہیں۔ آمدنی پر بار سود کا اضافہ ہو چکا ہے پھر کیا تعجب ہے جو یہ اسباب ادائگی میں مجبوری اور تنازعہ کا باعث ہوں۔ اس وقت قرض دہندہ اگر جائداد کی تمنا رکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے کہ اوسکی تدبیر روبراہ ہوئی۔ جس غرض کو اس نے ابتدا میں تاکا اور اب تک اوس کے خیال میں انتظار کی سخت مصیبت کو جھیلا پوری ہوتی نظر آئی

اب نالش کے ذریعہ سے مزید خرچہ کی زیرباری قرض خواہ پر اور ڈالدی، پانی سر سے

اونچا ہو گیا۔ چارہ کار باقی نہ رہا اور بیچارے قرض خواہ نے اپنی موروثی جائداد کا نیلام حسرت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے صبر کا بھاری پتھر سینہ پر رکھا۔ یہ فطرتی بات ہے کہ باہمی معاملات میں ایک دل دوسرے کی حالت کا عکس قبول کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے "دل را بہ دل رہیست" قرض دہندہ کی بدنیتی کا اثر قرض خواہ کو عداوت اور جوش انتقام کے فاسد خیالات سے بھر دیتا ہے۔

اکثر قتل اور چوری۔ مقدمہ بازی اور قسم قسم کے تنازعے محض اسی بنا پر۔ روج سود کی زیادتی کے ہمراہ بڑھتے جاتے ہیں۔

بدنیتی تو سود سے پیدا ہوئی۔ کچھ امداد سرکاری قانون کی رعایت سے پائی۔ بس دیوالیہ بنکر پرایا روپیہ مار بیٹھا ایک قاعدہ نکل آیا ایک شخص بحالت مجبوری دیوالیہ ہوتا ہے، تو دس روپیہ پیدا کرنے کو، یہ سب سود خوری کے کرشمے ہیں۔

روپیہ کی ضرورت سے کوئی خالی نہیں ہے۔ اور سود کا طریقہ جاری ہے تو فساد خود غرضی۔ عداوت باہمی کا عام ہونا بھی یقینی ہے۔

اسلام نے سود لینا جرم قرار دیا ہے، اور ہر شخص جو کسی نوع کا تعلق سودی کاروبار سے رکھتا ہے شرعی مجرم ہے۔ محض سود ہی جرم نہیں مقرر کیا گیا ہے۔ قرض حسنہ کار ثواب مقرر کر کے اہل ثروت کو بلا سودی روپیہ قرض دینے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اور دونوں مسائل متحد ہو کر کامل اسلامی غرض کو پورا کرتی ہیں۔

اس قدر معلوم کرنے کے بعد یہ نتیجہ فوراً نکلتا ہے کہ جو مسلمان حاجت سے زائد مال رکھتا ہے اوس پر اہل حاجت کا یہ حق ہے کہ بحالت قرض اون سے سود نہ لیا جاوے، اور حاجت روائی کار ثواب تصور کی جاوے۔

یہ پیشہ کسان بھی ہے اور کثیر المنفعت بھی ہے۔ بجز اسلام جرم بھی نہیں سمجھا گیا ہے۔ اس لئے بہت

زیادہ رواج پا گیا ہے۔

اس پیشہ کی ترقی کسی ذاتی قابلیت کو نہیں چاہتی ہے، صرف روپیہ کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس پیشہ کے امیر غریب سب خرچ کی تنگی بخل کی ذلت برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح پر عمر گرانمایہ کو تلف کرتے ہیں

دوسروں کے مالی ضرر پر اس پیشہ کا نفع موقوف ہے۔ اس لئے سود خور کا خزانہ خیال ضرر رساں خواہشات اور تفکرات سے مالا مال رہتا ہے بے مروتی، سخت گیری، خود غرضی کی امداد کے بغیر یہ پیشہ معرض خطر میں رہتا ہے۔

اسلام نے اس پیشہ کو جرم مذہبی قرار دیکر تمام دنیا کے ساتھ بڑے فیاضانہ دل سے رشتہ محبت بیا جمع کرنے کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ گویا اسلام زبان حال سے یہ سبق دے رہا ہے کہ اسلامی وسعت اخلاق محض برعایت ہم جنسی سود نہ لینے کے حق کو واجب کر دیتی ہے۔

اون نقصانات سے بچنا جو رواج سود سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس حکم کے فوائد کا پہلا جزو ہے۔

انسانی برادری کو تسلیم کرنا۔ برادرانہ حقوق کی رعایت میں مالی نقصان برداشت کرنیکی عادت قائم کرنا اس حکم کا دوسرا جزو ہے۔

ایثار نفس مروت دلدہی بغیر یہ اصول نہیں چل سکتا ہے۔

قرض حسنہ کی تحریک اس سونے کا سہاگہ ہے

زکوٰۃ کا بیان جس سونے چاندی کو کسی کے قبضہ میں سال گذر جاوے، اوس پر بحساب ۲½ فیصدی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ اسی طرح پر غلہ اور جانوروں میں ایک تعداد زکوٰۃ کی غرض سے فرض کیگئی ہے جہاں اسلامی حکومت ہے، یہ رقم شاہی اہتمام میں وصول ہوتی ہے، اور بادشاہی کے ذریعہ سے

اوس کا صرف ہوتا ہے

ہندوستان میں سخت مذہبی غفلت کے باوجود یہ رقم ایسی مقدار میں نکالی جاتی ہے کہ تمام غربا اور محتاجوں کی حاجت روائی کے واسطے کفایت کرسکتی ہے۔

جو کچھ حاجت مندی ہے اوس کا سبب نظام کی خرابی اور قواعد پر عمل نہ کرنا ہے۔ ورنہ جملہ مدات زکواتی مالامال رہسکتی ہیں۔

بمبئی وغیرہ بڑے شہروں میں محرم اور رمضان کے مہینہ میں اس قدر زکواۃ نکالی جاتی ہے، کہ دور دور سے فقیر آتے ہیں اور امیر ہوکر واپس جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں نے تو پیشہ ہی کرلیا ہے۔

زکواۃ کے قاعدہ کے موافق اہل حاجت کی تلاش کی ضرورت ہے۔ حیادار حاجت مند سوال سے گریز کرتے ہیں، اور بے پرواہ دولتمند تجسس کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ اس طرح پر اہل حاجت باقی رہجاتے ہیں۔

زکواۃ کی رقم ہر سال نکالنا ہوتی ہے، جس مال کی حفاظت سال بھر کی، محنت سے پیدا کیا اوس میں برادران اسلام کا حق زکواۃ کی مقدار میں اخیر سال پر پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ معقول تعداد ہے عدم ادائگی جرم ہے، اور دیکھ بھال کر تقسیم کرنیکی ذمہ داری ہے۔

ہر اہل دول کے مال میں اہل حاجت کا حصہ قانونی صورت میں موجود ہے، اور بخوشی خاطر مسلم ہر ہر سال اس حصہ کا نکالنا ایثار نفس کی عادت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ عادت طبیعت ثانی ہوجائے۔ مال کی محبت کو قانون کی قید میں لایا گیا ہے۔ قید کی غرض برادران دینی کے سلسلہ محبت کو قوی کرنا ہے۔ سال بسال امرا سے زکواۃ لیکر غلبہ محبت مال کو برادران دینی کے محبت کے مقابلہ میں لاکر مہذب بنایا جاتا ہے۔ روپیہ فساد کی جڑ ہے مگر جب تہذیب اسلامی کے چکر میں پڑجاتا ہے تو اس درجہ مہذب ہوجاتا ہے کہ بغیر خدمت مخلوق چین سے نہیں بیٹھ سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا طریقہ بخل کو دفع کرنے والا ہے۔ اور کاہلی کو تازیانۂ ادب ہے۔ کیونکہ کمانے میں سستی کرنا ہر سال بقدر رقم زکوٰۃ کمی مال کا باعث ہے۔ صحیح سالانہ حساب حالت مالی کی جانچ اور یاد دہانی ہے۔ اور پردہ غفلت دور ہونیکا ذریعہ ہے۔ محتاج امرا کے دعاگو امرا محتاجوں کے شریک درد رہنے کے خوگر ہوجاتے ہیں، دلی محبت کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔

فتنہ کا دوسرا جزو عورت سے تعلق رکھتا ہے جو مقناطیسی کشش باہم مرد اور عورت کے ہر وہ کسی مرد بالغ پر پوشیدہ نہیں ہے، عورت کی محبت کا رنگ ہی جدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی کے واسطے لفظ عشق وقف ہوگیا ہے۔ اور شوق تو مال سے پورے ہوجاتے ہیں۔ مگر عورت کے معاملہ میں جان، مال، آبرو سب کچھ کھونا ہوتا ہے

ناولسٹ اور شاعروں کا گروہ تو ہمیشہ اسی غم میں مبتلا رہتا ہے۔ ناولسٹ کے افسانہ اور شاعروں کے ترانے تو ایسے پردرد ہوتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ تعداد بڑی سودائیوں کی اونکو دیکھ دیکھ کر بڑھتی رہتی ہے۔ وحشت پیدا ہونا تو ضروری ہے۔ اگر اتنے پر بچ گئے تو سستے چھوٹے، جان بچی سب کچھ پایا۔

غرض یہ وہ راہ ہے جسمیں ہر قسم کی قربانی کرنا ہوتی ہے، یہاں تک کہ خود اپنی قربانی کا خطرہ بھی ہر وقت ہی لگا رہتا ہے۔

زود اثری میں یہ فتنہ برق سے مشابہ ہے۔ یک نظر میں اس کا اثر رگ و ریشہ میں پھر جاتا ہے اتنا ہی اپنا کلمہ پڑھانیکے واسطے کافی ہے۔

ہم جملہ مذاہب کو ایسے زود اثر مہلک و مخرب اخلاق عام مرض کے دفعیہ کے عملی تدبیر اختیار کرنے میں خاموش دیکھتے ہیں۔ گویا اس فتنہ کے دبانے کی کوشش کا مقابلہ کرتے وقت سب ہی کا قدم رک گیا۔ مگر اسلام نے اس موقعہ پر وہ کمال دکھلایا ہے کہ عقل کی آنکھ کو چکا چوندا آجاتا ہے۔ اعجاز کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ابھی اسلام کا وہ زمانہ ہے کہ پردہ کا حکم نہیں پہونچا ہے۔ دیگر مذاہب

کے مثل عورتیں پردہ کی قیدسے آزاد ہیں، اونکے پہلو میں، وہی دل ہے جو جذبات اور خواہشات رکھتا ہے، وہ آزادی کے لطف سے باخبر ہیں، صعوبت قید کے احساس کا مادہ اونمیں پایا جاتا ہے، ہر عمر کے آدمی ہیں قوی وضعیف جذبات رکھنے والے بہ کثرت موجود ہیں۔

یکایک عورتوں کو پردہ کا حکم پہونچتا ہے۔حکم پہونچنے کے ساتھ ہی بلا ساعت کسی عذر واستثنا کے سب پر پردہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ کچھ دنوں کے واسطے نہیں، لمدۃ العمر اسلا تا قیام قیامت۔ سب لوگ اس حکم کی تعمیل کے ذمہ وار ہیں یہ حکم عورت کا فتنہ تمام وکمال دفع کرنے کے واسطے تو کافی معلوم ہوتا ہے مگر تعمیل عملدرآمد پر مطمئن ہونیکے اعتبار سے بسا دشوار ہم ہے۔

ہر دانشمند حکم دیتے وقت یہ امور ملحوظ رکھتا ہے

اول یہ کہ جسکو حکم دیا گیا وہ اوسکی تعمیل کی فطری استعداد رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جنکو حکم دیا گیا اون سے تعمیل حکم کی امید ہے۔

اب پردہ کے حکم کا عملدرآمد دیکھتے تیرہ سو برس گذر گئے، اسلام نے زمانہ کا سرد و گرم بخوبی آزما لیا، اسلام نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ صدہا برس کوئی حکومت اوس کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اسی طرح علم اور فضل میں بھی اسلام صدہا برس تمام دنیا سے بڑھا چڑھا رہا، اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا ہے کہ عورتوں کے مادہ قبول کے اندازہ میں قصور ہوا یا حکم دیتے وقت تعمیل کی بابت ذرا بھی تردد تھا۔

جبکہ ایسی حالت میں کہ اسلام نشہ حکومت میں چکا چک تھا، اور کمال علمی کو معراج ترقی کا درجہ اعلی حاصل تھا، رسم پردہ جاری رکھی گئی، اسبات کا ثبوت ہے کہ حکمت اور علم نے پردہ کی خوبیوں کو تسلیم کرلیا اور اس لئے رسم پردہ جاری ہی۔ اس نئی روشنی کے زمانہ میں یورپ کی تہذیب اور ترقی علوم کے ڈنکے کی آوازیں ہندوستان تک پہونچی ہیں۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ یورپ میں عورتیں قید شوہری سے آزادی میں کوشاں ہیں مردوں کا سمجھانا اثر پذیر نہیں ہوتا ہے۔

ایک طرف ہم ایک حکم پر تیرہ سو برس سے پردہ ایسے قید عام میں کرورہا عورتوں کو نسلاً بعد نسلاً طیب خاطر پابند دیکھتے ہیں۔

دوسری جانب باوجود ترقی تہذیب اسی گروہ اناس کو قید شوہری سے آزادی میں باوجود کوشش تفہیم اڑا ہوا پاتے ہیں۔

حکم پردہ کی تعمیل ہم دیکھ چکے ہیں۔ قید شوہری تو بہت بڑا اور ضروری امر ہے ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ عورتوں میں پردہ تک کی قید کے قبول کا مادہ نہیں ہے۔

جب یورپ کی آزادی پر خیال کرتے ہیں تو عورتوں کا قید شوہری میں رہنا محال معلوم ہوتا ہے

دونوں صورتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دونوں مادے کا پایا جانا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ رعب حکم کی وقعت اور محکوم کے مادہ قبول کی وجہ سے ایسے مختلف نتائج برآمد ہوئے ہیں، جب ہم دنیا کو ایسے باوقعت حکم اور اہلیت قبول کی مثال سے خالی پاتے ہیں، تو اعجاز اسلامی کے قائل ہوجاتے ہیں۔

اسلام نے عورت کے فتنہ پر عملی اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی، چونکہ نظر سے اس فتنہ کا آغاز ہوتا ہے اس لئے رسم پردہ کو فرائض میں داخل کرکے اس فتنہ کی روک کا بندوبست کیا: عورتیں بحالت پردہ بجز اعزا اور شوہر کے نگاہ غیر سے محفوظ رہتی ہیں۔ لہذا ان کی تمام توجہ انہیں سے وابستہ رہتی ہے۔ بے پردہ عورتیں ہر طرف دیکھ بھال میں آزاد ہیں۔ طبیعت کا میلان نگاہ کے ساتھ جو اثر رکھتا ہے معلوم ہے۔ آگ پھوس سب قریب ہیں۔ جنبش ہوا کی کسر ہے وہ بھی عالمگیر ہے۔ القصہ بے پردگی کی رسم سے فتنہ کے تمام اجزا فراہم ہوجاتے ہیں۔ کسی طرف کم و بیش مائل ہوجانا بہت ممکن ہے، ایسی حالت میں پوری محکوم بیوی ہونے کی راہ میں جو دشواریاں عاید ہوتی ہیں بخوبی ظاہر ہیں۔

جب کچھ بھی میلان طبیعت میں فرق آگیا تو نظام خانہ داری اور فرمانبرداری میں قصور بد [illegible] ہوجاتا ہے۔

نتیجہ تحقیقات

جذبات اور خواہشات انسانی دو قسم پر ہوتے ہیں، جائز۔ ناجائز، جائز ہوئے تو دوسرے کو اون کے پورا کرنے میں کچھ تعرض نہیں ہوتا ہے، ناجائز ہوئے تو ناجائز حصہ کا جائز تعلق دوسرے سے ہوتا ہے۔ ایسے خواہشات اور جذبات کا پورا ہونا دوسرے کی حق تلفی کا سبب ہوتا ہے [illegible] تلفی [illegible] امن اور عافیت میں خلل کا سبب ہوتی ہے۔

خواہش اور جذبہ ناجائز سی خود غرضی کہلاتا ہے خود غرضی نہ ہو تو حق تلفی نہ ہو، حق تلفی نہ ہو تو امن قائم ہو جاوے اور جملہ انسان انعامات قدرتی کو خوشی خوشی استعمال کریں، خواہشات اور جذبات ناجائز کا حد معینہ کے اندر رکھنا یا ایسے اصلاحی قواعد پر عمل کرنا جو اس غرض کے واسطے وضع ہوئے ہیں۔ انسان کا بہت بڑا فرض ہے۔ کیونکہ امن پیدا ہونے کی صورت ہے۔

روپیہ کے فتنہ وضع ہونے کے واسطے اسلام نے سود نہ لینا اور زکوٰۃ ادا کرنا تجویز کیا ہے۔

ہر مذہب میں خیرات کے فوائد اور ثواب دکھا کر حقوق انسانی کی رعایت کی گئی ہے۔ اسلام بھی جملہ مذاہب کے ساتھ اس امر میں ہم زبان ہے۔

سود اور زکوٰۃ خیرات کی طرح رغبت طبیعت پر موقوف نہیں ہیں بلکہ ان کی غرض معاملات کی صورت میں اور اوقات معینہ پر حقوق انسانی کی رعایت ہے، اپنی نیت کی اصلاح اور روپیہ کے فتنہ سے بچنا ان اصولوں کا مقصود ہے۔ ان کی پابندی مقاصد مذکورہ بالا انجام دینے کی باقاعدہ تحریک ہے۔

اسی غرض سے اسلام نے یہ اصول خیرات پر اضافہ کیے ہیں، تاکہ فتنہ کے دبانے اور نیت کی اصلاح کا کام تکمیل کے درجہ پر پہونچ کر امن اور عافیت کی زندگی کا ذریعہ ہو سکے۔

آدمی چونکہ اپنی حاجت روائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور روپیہ سب حاجت روائیوں

کا ذریعہ ہے اس لئے باہم مالی معاملات ہونا انسانی زندگی کا بڑا اور ہر وقت کا مشغلہ ہے معاملات کا تعلق روپیہ کی حاجت سے ہوتا ہے، اور حاجت سودی معاملات کا سبب ہوتی ہے۔ اور سودی معاملات بدنیتی اور نقصان رساں خیالات پیدا ہونے کے سبب ہوتے ہیں۔ اس طرح پر فساد کا مادہ جمع ہو کر امن اور عافیت میں خلل واقع ہوتا ہے۔

اسلام نے فساد کے سب سے بڑے مخزن کا پتہ لگا لیا، اور بصورت معاملات سودی نفع حاصل کرنیکی ممانعت کردی۔ تاکہ نوع انسانی کی حاجت روائی کی راہ خودغرضانہ رکاوٹ کے اندیشے سے بے خطر ہو جاوے۔ غور کیا جاوے تو ایسی پھلدار شاخ کو جھکا کر دنیا کے روبرو کردیا جسکی ٹہنیاں تمام دنیا کو اپنے سایہ میں آرام پہونچا سکتی ہیں۔ اور اسکے تازہ اور شیریں پھل ایک جہان کی تلخ کامی مبدل بہ شیرینی کرنیکا ذریعہ ہیں۔

روپیہ کی حاجت آدمی کو اپنی غرض مندی دوسرے پر ظاہر کرنیکو مجبور کرتی ہے، یہاں پر معاملاتی نیت کا مجمع ہے۔ یہ وہ موقع ہے کہ خواہ انسان دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنے میں اپنا ذاتی نفع مدنظر رکھے، یا دوسرے کی حاجت مندی کا خیرمقدم اخلاقی قرینہ سے کرکے نفس حاجت کو فائدہ پہونچا دے۔

جس جگہ خودغرضی کا تخم جمنے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلام کا ہاتھ دہن بخیلی کے واسطے پہونچتا ہے۔ جہاں وہم و گمان کی رسائی دشوار ہے وہاں اسلام جھنڈا نصب کردیتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس شئے کے مرض کا بھی پتہ لگا لیا اور نیت کو سود نہ لینے کے ضابطہ قانونی کا مقید کرکے تمام دنیا کی معاملاتی حاجت روائی کو دو طرح پر نفع پہونچایا۔

اول یہ کہ جو خودغرضانہ خیالات اہل حاجت سے ہو سکتے ہیں سب کا سدباب کرکے اصلاح نیت کا بندوبست کیا۔

دوسرے ایثار نفس لازمی قرار دیکر محبت کی تحریک عام کردی۔

جس مقام پر ببول اُگتے وہاں آم کے پودے نصب کر دیے۔ مالی نقصان پر نفع کو مقدم کیا۔ ایک

ہی حکم دیکر تمام معاملاتی دنیا کو مضرت فتنہ سے محفوظ رہنے کا بندوبست مفید ترین نظامی صورت میں کر دیا۔

سود کا نفع حاجت سے متعلق ہے، اور حاجت ہر وقت رہتی ہے، اس لئے سود کا نفع عام ہے۔ اور قید وقت سے مبرا ہے۔ مگر زکوٰۃ کا نفع سالانہ ہے اور مخصوص با اسلام ہے۔ غربا کی حاجت روائی اور بعض ضروریات اسلامی زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ ہر شخص مستحق ادائگی زکوٰۃ چار سالانہ فیصدی اپنے بچے ہوئے سرمایہ سے اختتام سال پر ادا کرتا ہے۔ سود خوار اگر کسیکو کچھ قرض دیتا ہے۔ تو دوسرے کے مال میں حصہ دار ہونیکی نیت کر لیتا ہے۔ مگر زکوٰۃ دہندہ محض برادری اسلامی کے خیال پر اہل حاجت کا حصہ اپنی بچی ہوئی رقم سے قائم کرتا ہے۔

قومی حقوق کی رعایت میں مالی ایثار نفس کو اوقات اور تعداد معینہ کا مقید کیا ہے۔ اس طرح پر اسلام کے جملہ حاجت مند امرا کے خزانہ کے شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ امرا غربا کے خزانچی ہیں۔ یگانگت قومی قائم کرنے کا اس سے بڑھکر کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ مالداروں کا اطمینان تو اپنے مال پر ہے وہ بھی جب کہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہے۔ مگر اسلامی حاجت مند تو تمام دنیا کے مسلم مالداروں کے خزانہ میں حصہ دار ہیں۔ اس طرح پر محتاجی کی بے فکری مالداری کے اطمینان پر شرف رکھنے والی ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ عورت کے فتنہ کی ابتدا نگاہ سے ہوتی ہے نگاہ سے بچنے میں زندگی کے کچھ حصۂ آزادی کی قربانی کی ضرورت ہے۔ مگر فساد کا دروازہ بے شبہ بند ہو جاتا ہے۔ اگر ہمیشہ ہمیشہ فساد دور کرنے کی نیت ہے تو یہ قربانی بھی ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یہ طریقہ بہت سے جذبات اور خواہشات پر صبر اختیار کرنیکو بھی لازمی قرار دیتا ہے

اسلام ایسا آزاد فرقہ جس کی تیز تلوار نے دنیا کو زیر نگیں کر کے اپنے غلبۂ آزادی کو قائم کیا کچھ سہل نہ تھا کہ ایسے پر جوش ایسے دل و دماغ رکھنے والی قوم پر پردہ کی قید کو اپنے جملہ افراد کے واسطے تا قیام قیامت

منظور کرلے، ایسی قوم کو حکم پردہ دینا عجیب تر ہے۔ ہم دنیا کی تاریخ اخلاقی جرأت پر ایسے دلیرانہ اخلاقی پیش قدمی کی زندہ مثال سے خالی پاتے ہیں۔

تعجب کا سبب روح اسلامی پر نظر نہ پہونچنا ہے۔ ورنہ واقف کار خوب سمجھتے ہیں کہ وہ اگر زور شمشیر سے دنیا کی تسخیر پر قادر تھے تو اخلاقی صورت میں دنیا اور مافیہا ترک کرنے کا مادہ بھی رکھتے تھے۔

فتنہ دفع کرنے کے واسطے انہوں نے پردہ ایسی رسم کو قبول کیا گویا اخلاقی معرکہ کی صورت میں خواہشات جذبات اور لطف آزادی کو نسلاً بعد نسلاً خیرباد کرکے اقلیم اخلاق کو بھی فتح کر دکھایا۔

صفت ایثار نفس کا یہ وہ نمونہ ہے، کہ بیچارہ ایثار نفس کو بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا ہوگا۔ فتنہ زا آزادی سے نفع بخش قید بہتر ہے۔

عورت کے فتنہ پیدا ہونیکا مخرج نگاہ ہے۔ اسلام فتنہ کی روک مخرج ہی سے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پردہ کا حکم دیکر اس فتنہ کا علاج کیا گیا۔

اسلام نے رسم سود حرام کرکے تمام معاملاتی دنیا کی بدنیتی اور خود غرضی رفع کرنے کا بندوبست اوس مقام سے شروع کیا جہاں کہ اون کا مخرج تھا، اور زکوٰۃ فرض کرکے غربا کو امرا کے خزانہ کا شریک قرار دیکر رشتہ یگانگت برادرانہ کو مضبوط بنایا۔

خوبی احکام پر نظر ڈالتے ہوئے صاف ظاہر ہے کہ جس جگہ مال کا فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اب اوس مقام سے چشمہ محبت موجیں مارتا ہوا جوش زن ہے۔ جو پانی اپنی شوریت کی بابت شہرت رکھتا تھا، فیض اسلامی نے اوس کو شیریں کردیا ہے۔ عورت کے فتنہ کا بندوبست بھی اسلام نے حسب عادت آغاز ہی سے کیا ہی رسم پردہ جاری کرکے اس فتنہ کا تام وکمال استیصال کردیا گیا ہے۔ اور بہت سے فوائد جو اس رسم سے وابستہ ہیں عملدرآمد سے خواہ مخواہ حاصل ہوجاتے ہیں۔

اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ فتنہ زر وزن کا انتظام دفعیہ ہی اسلام نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ نظامی قابلیت

سے اسباب فتنہ کو صلاح انسانی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ایثار نفس کی وہ مثالیں قائم کی ہیں کہ اعجاز کا مزہ حاصل ہوتا ہے۔ اور خود غرضی کو جڑ سے کھود نکالا ہے۔

اب ہمکو مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمکو اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ اسلام سے بہتر کوئی مذہب ہماری ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا ہے۔ ہمارا موضوع ہی دریافت ہو گیا ہے اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ جو کوئی ہمارے موضوع پر عمل کریگا دنیا میں بہشت کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ بہ نظر فائدہ عام ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

علما اور فقرا کی صحبت میں کتابی یا سماعی علم حاصل کرنا اور فوراً ہی عمل شروع کر دینا عمل کی کثرت اس درجہ کرنا کہ عادات تک اثر ظاہر ہو جاوے۔

بعض اسلامی اصول پر عمیق نظر ڈالکر عام نظر سے پوشیدہ دنیوی فوائد اسلامی کو تہ سے جدا کر کے روز روشن میں لایا گیا ہے۔ خاصکر وہی اشخاص زیادہ مخاطب ہیں جو لطفِ دنیا کو اپنا قبلہ نظر سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی تمام ہمت استطاعت مصروف رکھتے ہیں۔ جو لوگ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور اون کو کیا کرنا چاہیے وہ اس کتاب کا دوسرا حصہ سیر النفس ملاحظہ کریں۔ واللہ موفق والمعین

تمام شد

یا فتاح

سیر الغنی
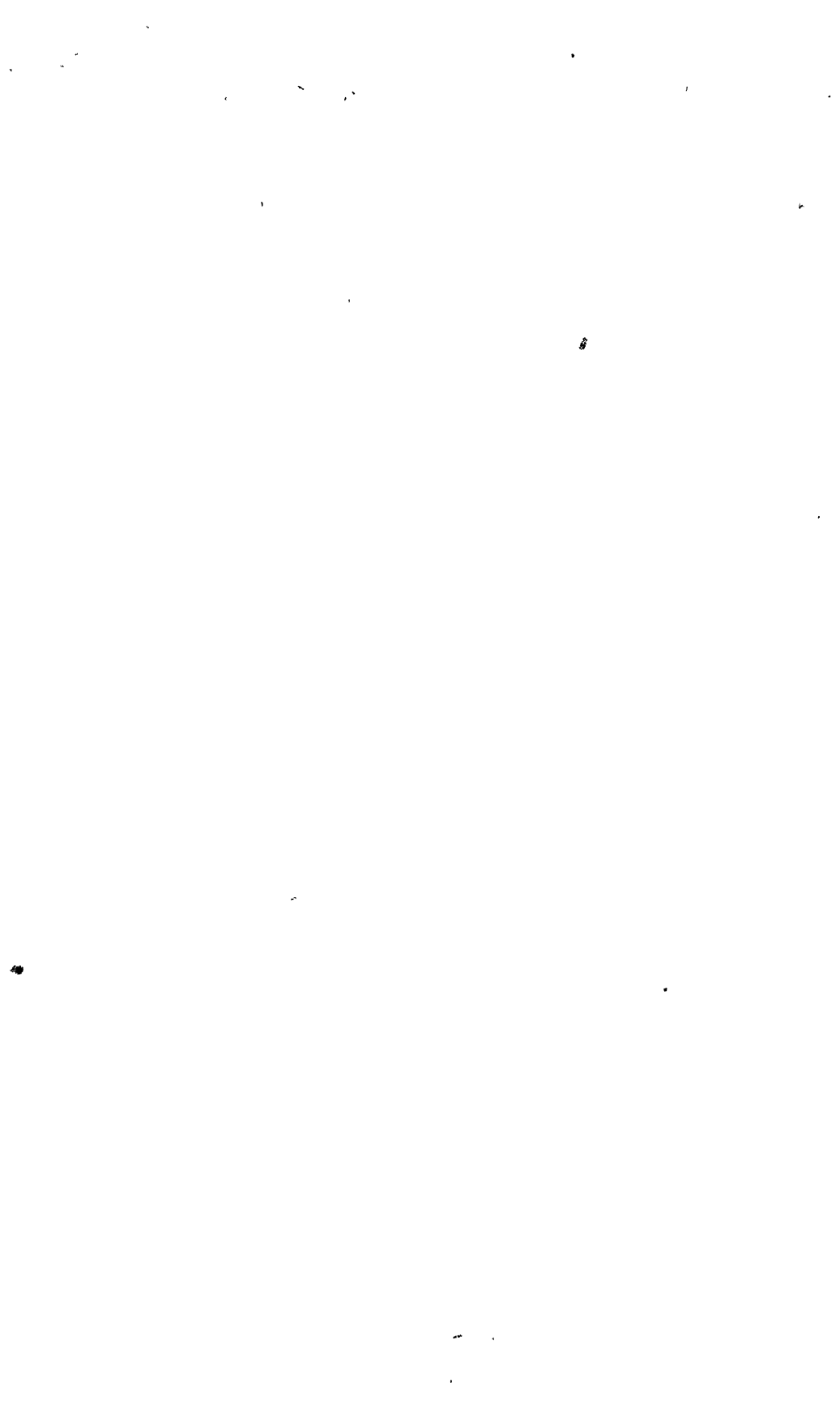
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صانع مطلق کی صنعت و حکمت دیکھنا ہے تو قدرتی اشیاء کو دیکھے۔ ایک ایک اپنے اپنے رنگ میں انتہائے حسن و کمال رکھتے ہوئے عیوب سے مبرا ہیں۔

کمال اخلاقی کا مطالعہ منظور ہے تو سرور عالم رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل پسندیدہ پر غور کرے۔ ہر ایک تمام مخلوق کیلئے قابل اقتدا اور بہترین رہنما ہے۔

پیغمبروں کے اتباع اور ان کے ثمرات ملاحظہ کرنا ہے، تو اصحاب کبار کے صدق عمل اور ان کی دینی اور دنیوی بے نظیر ترقی سے سبق آموز ہو سبھی کا عمل ستاروں کی طرح کشتی مراد دو جہانی کو ساحل مقصود تک پہونچانے والا ہے۔

جو مسلمان ہو کر غفلت کی وجہ سے ان سے مستفید نہ ہوا اوس کی سعی نامسعود مصداق خسرۃ الدنیا والآخرہ ہے۔

سبب تالیف

دنیا کے عجائب خانہ میں قدرت نے جو کمال صناعی اور حکمت دکھلایا ہے اوس پر غور کرتے ہوئے دنیا کی عمر کا بہت بڑا حصہ ختم ہو چکا ہے، نہ تو خزانہ عجائب و غرائب میں کچھ کمی ہے نہ انتہا کا پتہ ہے۔

انسان تمام دنیا کے مقابلہ میں اوسی کا ایسا چھوٹا جزو ہے کہ اوسکے لئے اپنی نسبت کائنات سے مقابلہ کرکے دریافت کرنا دشوار ہے۔ تاہم گو اپنے علم خبروی سے وہ اپنے نفس کو بھی شناخت نہیں کرسکا کہ کون ہے کہاں سے آیا۔ کس لئے آیا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ مگر کائنات کو کلی حیثیت پر دریافت ماہیت کرنے کی غرض سے مصروف کار ہے۔

قدرتی اشیاء میں یہ خاص ادا ہے۔ کہ کوئی شخص چھوٹے سے چھوٹی شئے بھی ہر اعتبار پر ہم صورت اور ہم سیرت نہیں بنا سکتا ہے۔

آم میوہ ہے۔ جب اوس کا تخم زمین میں ڈالا گیا۔ کون سمجھ سکتا تھا۔ کہ تخم ایسی صورت خاص پر اتنے بڑے درخت کو پیدا کرنیکی قوت اپنے میں مخفی رکھتا ہے۔ پھل آیا تو مٹھاس اور رنگ ساتھ لایا۔ بعض کی خوش رنگی تو محو حیرت کر دیتی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آم اجزاء مادی سے بنا ہے۔ ہم اجزاء مادی پر تصرف عام رکھتے ہیں۔ مگر جو کچھ قدرتی عمل سے خود بخود ہو گیا ہے ہم کو کرنا ناممکن ہے۔ ربڑ کی گیند ہماری نگاہ میں حیرت انگیز ایجاد ہے ہم تمام دنیا کے سمجھانے پر بھی یقین نہیں کرسکتے کہ وہ خود بخود بن گئی ہے۔ کیونکہ ہمارے خیال نے ایسا ہونا ناممکن تسلیم کرلیا ہے، اودہر تو ہمکو اپنی مصنوعات پر اس قسم کا اصرار ہے۔ مگر دوسری جانب ہم بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں کہ کرۂ زمین جس کے ذرہ ذرہ سے بے مثل صنعت اور حکمت کا کمال ظاہر ہورہا ہے۔ خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔

ایسی حیرت انگیز صفات اور حالات رکھتے ہوئے انسان اس عجائب خانہ کی جان ہے اس کی صفات عجیبہ پر بحث کرنا دنیا کے عجائب خانہ کا خلاصہ ہے۔

خدا شناس کو دیکھو تو ہر ذرہ کو جلوہ گاہ انوار آلہی سمجھتے ہوئے از خود رفتہ ہو رہا ہے۔ ملحد کے تمام عالم پیش نظر ہے، مگر خالق کے وجود سے بے خبر ہے۔

گو ایسے زندیق شاذ ہیں نہ کہ قابل لحاظ البتہ ایسے بکثرت ہیں کہ وجود خدا کے قائل ہیں۔ مگر علم صفات

واقعی سے غافل ہیں۔

غفلت کی اس سے زیادہ عجیب انگیز کیا مثال ہو سکتی ہے، کہ جس میزبان کے مہمان سرا میں تمام عمر مع جملہ ضروریات زندگی بسر کی اوسکو نہ جانا کہ کون ہے اور کیسا ہے۔ جس آقا کو تمام زندگی کے کارنامہ کا جواب دینا ہوگا۔ اوس کے احکام اور رضا جوئی کی پرواہ نہ کی۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مالک جزا و سزا ہے۔

جو وقت صرف کیا وہ اپنی ہی ہتھکڑی بیڑی تیار کرنے میں خرچ ہوا۔

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ ثابت ہوا ۔۔۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

دنیا کے اسباب غفلت شاہد مقصود کے درمیان میں حجاب ہیں، ضرورت ہے کہ احکام شرع شریف سے مدد لیکر پردہ کا دوسرا رخ دکھایا جاوے اور دلائل عقلی کی چاشنی دیکر مضمون کو ذائقہ دار بنایا جاوے دشوار فہمی کو بیش بہا جامہ سہولت بیان سے مزین کیا جاوے۔ کیا عجب ہے کہ یہ غذائے روحانی اس خوشنما پیرایہ میں بہ رغبت طبیعت مقبول ہوکر بہ آسانی قوت نفس اور اکمال کی ترقی کا سبب ہو اور میں بھی عنداللہ ماجور ہوں۔

بہ نظر سہولیت فہم بعض اصطلاحات کو بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان ہی کے سمجھنے پر زیادہ تر آیندہ کا تعلق ہے۔

ذمہ داری:۔ ادن تمام مراسم اور قانونی عملدرآمد پر پابند رہنے کو کہتے ہیں جسکو انسان اپنے فرائض میں داخل سمجھنے لگے ہیں، اور خلاف ورزی کو جرم اور عہد شکنی قرار دیتے ہیں۔

اعتبار:۔ جب کوئی شخص اپنا کام خود نہیں کر سکتا ہے، تو کسی معتمد کے ہاتھ میں اپنا قابو اور اختیار سپرد کر دیتا ہے، اور وہ کام کراتا ہے، دوسرے پر اس قسم کا بھروسہ کرنا اعتبار کہلاتا ہے۔

نیک نیتی:۔ کسی فعل کے ظہور میں آنے سے پہلے انسان اوس کام کے کرنے کے طریقہ پر دل میں ایک خیال قائم کرتا ہے۔ پھر فیصلہ طبیعت کے اتباع میں عملی کارروائی کرتا ہے۔ جب تجربہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی

شخص کے افعال میں اکثر وہ امور ملحوظ رہتے ہیں۔ جن کی اچھائی پر عموماً انسان متفق ہیں تو ایسے شخص کو نیک نیت کہتے ہیں۔

حقیقت شناخت۔ کوئی کیفیت یا صورت خواہ بذریعہ معائنہ عینی یا بذریعہ حس خیال میں پہونچکر حافظہ میں قائم ہوجاتی ہے۔ تو آئندہ کے واسطے وہی صورت یا کیفیت اپنی ہی پہچان کا ذریعہ ہوجاتی ہے۔ جب تک ہم آنکھ سے نہ دیکھیں یا کیفیت کا احساس نہ کریں۔ ہم کسی ایسی شئے کا وجود خزانۂ خیال میں نہیں پہونچا سکتے ہیں۔ جو اب تک ہمکو معلوم نہیں ہے

زبانی کہنے پر صرف اس قدر معلوم ہوسکتا ہے۔ جتنا مثال دیکر سمجھایا جاسکتا ہے۔ مثال اصل نہیں ہوتی لہذا جس قدر مثال اور اصل میں فرق ہے۔ وہی فرق شناخت اصل میں باقی رہتا ہے۔

ایسی صورت میں ہمارے حواس ظاہری اور باطنی اوسی شناخت پر قادر ہوسکتے ہیں جسکو مذکورہ بالا طریقہ پر وہ معلوم کرسکتے ہیں۔

اس قاعدہ کے مطابق صفات باری تعالیٰ اور اوسکی ذات کا تصور ہمکو اوسی حالت میں ہوسکتا ہے کہ کسی ایسے پیمانہ پر جو کہ اس غرض کے لئے کافی ہو۔ اونکے مظاہرہ کی اہلیت خود ہم میں ہو اور کوئی طریقہ دریافت بھی پایا جاوے۔

عالمِ آخرت کا ثبوت دنیا میں

دنیا میں نیک وبد دونوں قسم کے آدمی ہیں، اور ذمہ دارانہ حیثیت کے اعتبار پر اپنے فعل کا نتیجہ اون کو ملنا چاہیئے، مگر تجربہ تبلا رہا ہے کہ نیک وبد عمل کا نتیجہ دنیا میں انعاماً یا سزاءً دنیا نہیں پایا جاتا ہے۔ جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ نہ تو کافی ہے نہ باقاعدہ ہے۔ ہاں جو کچھ نتیجہ دیکھنے میں آتا ہے اوس سے نکوئی کی حوصلہ افزائی اور بدی کی طرف سے عبرت پیدا کرانا ظاہر ہوتا ہے۔

دنیا میں اکثر نیکوں کو تکلیف اور بدوں کو آرام ہوا کرتا ہے۔ کبھی انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کا دامن عصمت آلودۂ گرد معصیت نہیں ہوتا، اور کبھی اوسی کا ہاتھ کہنیوں تک بے گناہوں کے خون سے تر ہوتا ہے۔ مگر قدرتی دنیوی انعام یکساں ہوا کرتا ہے۔ المختصر ہم اس عالم سے کوچ کرتے ہیں اور اپنی حیات دنیا میں نیک و بد اعمال کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

جبکہ دنیا میں عبرت آمیز سزا اور ہدایت آگیں انعام سے قدرتی طور پر ہمکو نکوئی کی رغبت دلایا جانا پایا جاتا ہے۔ جبکہ ہم کو نیک و بد کا حقیقت آشنا بنایا گیا ہے، ایسی حالت میں ہمارا کافی اور باقاعدہ طریقہ پر کیفر کردار کو نہ پہونچنا دو صورتوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے۔

یا تو ہماری خلقت میں نقص ہے!

یا سزا اور جزا ہونا باقی ہے!

مگر قدرت کی خوبی عیب سے پاک ہے، ہر قدرتی شئے اپنے ہر رنگ میں بے مثل ہے۔ تمام دنیا اپنی متفقہ کوشش سے کسی قدرتی شئے کے موجودہ نمونہ سے بہتر صورت تجویز نہیں کر سکتی ہے۔

انسان قدرتی صناعی کا اعلیٰ اور اشرف اختراع ہے جسکے پتہ پتہ کی کمال خوبیوں کو دیکھکر حیرت ہوتی ہو، اوسکی سب سے اعلیٰ اختراع میں فروگذاشت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ عالم جزا و سزا دوسرا ہے، جسکو عالم آخرت کہتے ہیں۔

تمہید

آدمی کی صورت معاشرت کو باہمی تعاون کی احتیاج ہے۔ اوسکی ضروریات زندگی میں تمام قدرتی اشیاء معدنی و جبالی دریائی و صحرائی ہر ملک و دیار کی شامل ہیں۔ اسی وجہ سے اپنے جملہ مطالبات وہ خود نہیں مہیا کر سکتا ہے۔ دوسروں سے مدد لینی پڑتی ہے، اور دوسروں کے

امدادی تعلقات کے ساتھ ساتھ ذمہ داری اور اعتبار سے کام لینا لازمی ہو جاتا ہے۔ ایک ہی کام میں بہت سے اشخاص کے اغراض کا شمول ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ تقاضائے فطرت اختلافات اور تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ رفع شر اور قیام امن کی غرض سے ایک فیصلہ کنندہ اور ایک قانون کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ علاوہ بریں فقط جان اور آبرو کے واسطے ہی انسان اسی قسم کے انتظام کا حاجت مند ہے۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے انسان وہ سب نفع حاصل کرنے پر قادر ہے جو قدرت نے ہر ملک و دیار کی اشیاء میں ودیعت رکھا ہے۔ مگر جیسے جیسے اس قسم کے استفادہ کے دائرہ کو وسعت ہوتی جاتی ہے اوسی نسبت سے ذمہ داری اور اعتبار بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے، اور اون کے ہمراہ باہمی اختلافات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قانون ایسا ہونا چاہیے، جسکی صوابدید متفقہ ہو۔ فیصلہ کنندہ کی عزیز ترین خواہش قانون کی پابندی ہو۔ پھر بھی قانون کا نتیجہ جب تک کہ اوس پر عمل نہ کیا جاوے ظاہر نہیں ہو سکتا ہے، اور عمل کیلئے نیک نیتی از بس ضروری ہے۔

نیک نیتی جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ فطری خواہشات اور جذبات کو قانونی مقابلہ پر آتے ہوئے قانون کی حمایت پر قدم راسخ جمایا جاوے۔

خزانہ بھی ہاتھ آتا ہو، خطرہ کی صورت بھی نہ ہو خوشی کی اُمنگیں اُٹھ اوٹھ کر زندگی کے خوشگوار منظر پیش کریں۔ مگر حقوق کا خیال مال کیطرف نگاہ خراب کرنا جرم تصور کرے۔

تقاضہ ہائے فطری اگر غلط راہ چلیں تو ان کا خون حلال سمجھکر اپنے ہاتھ سے بہایا جائے۔

اپنی آرزوؤں کے خلاف غیر کے حق میں ڈگری دینے کا فعل اپنے قلم سے کیا جاوے۔

غصہ کا شیر ضابطہ کے کچے دھاگے میں اسیر کیا جاوے

ایسا ہونا ممکن ہے اور ہو رہا ہے۔ مگر جب تک کوئی بڑا خوف اور کافی امید نہ ہو دل اس

حالت پر قرار نہیں پکڑ سکتا ہے۔

خوف ایسا ہونا چاہیئے جس کے خطرہ کے خیال سے جذبات کو دبانا، خواہشات سے اعراض کرنا مفید اور ضروری تصور ہو کر طبیعت کا مقصد خاص ہو جاوے۔

امید بھی ایسی ہونا چاہیئے جس کی تمنا دلی امنگوں کے بڑھتے ہوئے دریا کی تلاطم امواج کا کامیاب مقابلہ کر سکے۔

خواہشات اور جذبات کے وحشی اس زنجیر میں مقید ہو سکتے ہیں۔ جس کی کڑیاں ہم نے ایک ایک کر کے شمار کرائی ہیں۔ اون کا سلسلہ ذمہ داری اور اعتبار سے شروع ہو کر خوف اور امید تک پہونچتا ہے اگر ایک کڑی بیکار ہو جاوے تو وحشیانہ عمل انسانی طرز معاشرت پر غالب آجاوے۔ جب ان کڑیوں میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، تو حیوانیت اور خود غرضی کا غلبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جزو اعظم اس سلسلہ کا نیک نیتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے بقیہ سلسلہ خود مستحکم ہو جاتا ہے۔ نیک نیتی کو تقاضائے فطری سے ہر وقت کا مقابلہ ہے۔ اس لئے نیت کو خواہشات اور جذبات بیجا کے اثر سے محفوظ رکھنا انسانی زندگی کا اعلیٰ مقصد اور انسانی تہذیب کے بقا کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

نیت کی اصلاح کے واسطے بجز خوف و رجا دوسرا چارہ کار نہیں ہے، اور بغیر اصلاح نیت انسانیت میں دم مارنا دعوی بے دلیل ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر غور نہ کرنا بھی آدمیت کو خیرباد کہنا ہے۔

اصلاح نیت کا کام دو طرح پر ہوتا دیکھا جاتا ہے یعنی خدا اور انسان کا خوف و رجا دونوں سے یہ کام دنیا میں انجام پا رہا ہے۔

میں نے ایک بسیط مضمون کے ذریعہ سے ہر دو اقسام خوف و رجا کے فوائد کی تشریح کی ہے۔ کیونکہ بہت سے ضمنی فوائد اس طرح پر حاصل ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ خدا کے خوف و رجا کی چارہ سازی پر یقین سے ذات باری تعالیٰ کا روحانی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ صفات کا علم ذات کی محبت کا سبب ہوتا ہے

جب ہم یہ سمجھ لیں کہ انسانی خوف ورجا ہمارے سلسلۂ نظم کو برقرار رکھنے کے لئے ناکافی ہیں تو صاف طور پر معلوم ہوسکتا ہے کہ خدا ہی کے خوف ورجا پر یہ نظم موقوف ہے۔ اور ہمارے امن وعافیت کا یہی ذریعہ ہے، لہذا ہم اپنے بیان کی ابتدا اسی شق سے شروع کرتے ہیں۔

محض انسانی خوف کی حقیقت

قبل ظہور فعل حصول مدعا کی صورت کا خیالی نقشہ تجویز ہوتا ہے۔ اس صورت کے رنگ و روغن خط و خال پر نیت کو وہی اختیار ہے جو مصوّر کو تصویر بنانے میں ہوتا ہے۔ یہ صورت کامل آب و تاب کے ساتھ کھنچکر تیار ہوجاتی ہے اور انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ کوئی خبر ہونے کا ذریعہ ہے۔ ایسی حالت میں کوئی اصلاحی اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔

مخالف کا وجود منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگیا، اور ہم نہیں جانتے کہ کچھ ہوا یا نہیں۔ اور اس دوران میں کہ ہم نہ تو اوس کی ہستی سے باخبر تھے، نہ ہمکو خبر ہونیکا کوئی ذریعہ تھا، یہ وجود جذبات اور خواہشات کی گود میں پرورش پاکر اون کے کامل اثر میں بلا مداخلت غیرے رہکر اون کا بندہ بے عذر ہوگیا، مناسبت فطری اور پوشیدہ تربیت نے فعل کو وجود میں آنے سے پہلے ہی خواہشات کی حلقہ بگوشی کے ہمراہ اوسکو انہیں کے رنگ طبیعت میں شرابور کردیا۔

جبکہ ایسے نامعلوم ذرائع سے خواہشات کا ایسا گہرا اثر پہونچ سکتا ہے تو ہرگز باور نہیں ہوسکتا کہ نیت کے سانچہ سے محبت اور حق شناسی کی دلربا تصویریں ڈھلکر برآمد ہوسکتی ہیں۔ خودغرضی اور نفسانیت کے ڈراؤنے دیو ضرور دحشت افروز ہوسکتے ہیں۔ اب یہ نتیجہ بلا تامل نکلتا ہے کہ وہ زمانہ آگیا جبکہ ہر دماغ خطرہ کا مرکز اور ہر فعل خوف ودحشت کے سلسلہ جنبانی تصور ہو، وہ ہزاروں دل جو غیروں کے آرام کیلئے بیقرار ہوجاتے ہیں اب عضو معطل ہوجاوینگے۔

وہ آنکھیں خواب وخیال نظر آتی ہیں جنکو پرائی خاطرداری میں چین کی نیند حرام ہو جاتی ہے اور
وہ جواں مرّاب کہاں جو اورونکی خاطر سر بکف دکھلائی دیتے تھے۔
نہ وہ ہاتھ ہیں جو دوسروں کے واسطے محنت برداشت کرتے ہوئے تکان اور گرانی کا احساس کریں
حق شناسی نیک نیتی کا چارج بدل گیا۔ خودپرستی اور خودغرضی کا دور آگیا۔ اب دنیا کا نظم ونسق بہیں
کے طرز سکالیش پر ہوگا۔ اس موقع پر حیوانیت کا فوٹو اس صورت سے ملایا جاوے یقین تو ہے کہ مسر مو
فرق نہ ہوگا۔
جو کچھ لطریق محبت اور فرض کیا جارہا ہے، اگر اب بھی کیا گیا تو بہ جبر واکراہ بادل برداشتہ ہوگا
سائکہ حبن کا ترجمہ میں بناوٹی اعتبار کرتا ہوں تصنع کا ایک پردہ ہے جسکو اصلیت واقعات پر ذاتی
غرض کی بنیاد پر ڈالدیا جاتا ہے۔ اس طریقہ پر ابلہ فریبی ہو سکتی ہے۔ مگر اس پردہ کو زمانہ مذکور کی تیز ہوا
کے ایک جھونکے کا بھی تحمل نہیں ہو سکتا ہے۔
بحالتِ موجودہ جبکہ ہمکو خدا کے خوف سے کافی امداد پہونچ رہی ہے زبردست آئے دن اپنے دباؤ
اور قوت کی بنا پر بلاخوف گورنمنٹ اور سوسائٹی ہمپر ظلم کررہے ہیں۔
زیردست بھی پوشیدہ طور پر نقصان رسانی اور تکلیف دہی بلاخوف مواخذہ کرلیا کرتے ہیں ہر
شخص اپنی ہی حالت پر غور کر دیکھے کہ ادسکو حق تلفی اور نقصان رسانی کے کس قدر موقع بلا اندیشہ کسی
مضرت قانونی کے دستیاب ہوا کرتے ہیں۔
ہماری کمزوری اس درجہ ہے جسکی وجہ سے ہماری ہی نیت جو کہ فعل کے خاکہ کے تیار ہونے کا مقام
ہے ہمارے اختیار کی نارسائی کی بنا پر خواہشات کا خاطرخواہ کارآمد آلہ تصرف ہو جاتی ہے۔ اور نیت کے
ہمراہ ہمکو مع اپنے انصاف کے نفس کا تابع ہونا پڑتا ہے۔
ہماری قوت اور انتظام سے ایک شخص بھی کامل طور پر کسی قانون کا پابند نہیں ہوسکتا ہے۔ بہت سے

تصور تو معلوم نہیں ہو سکتے ہیں۔ جو معلوم ہو جاویں اونہیں سے اکثر ثابت نہیں ہو سکتے ہیں جو ثابت ہو جاویں اون کے مواخذۂ قانونی سے بچنا ہی ہمارے امکان میں ہے۔ ایسے خوف کی بنا پر جذبات طبعی کا مقابلہ لکڑی کی تلوار سے شیر ببر کے شکار کرنے کے جاہلانہ ارادہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہے۔

امید جو محض انسان سے ہو سکتی ہے

انسان کو حاجت روائی کے لئے بہت کچھ ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی محتاجی کا دائرہ اس کی حیثیت کی ترقی کے ہمراہ زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور احتیاج کا اضافہ ضروریات کے اندازہ پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص کسی آدمی سے امید رکھتا ہے تو وہ اوس کی حاجت روائی اپنی ضروریات اور خواہشات میں امداد پہونچانے کے صلہ میں کرتا ہے۔ اس طرح پر مجبورانہ صورت میں دوسروں کی مرضی کی موافقت انسان سے امید براری کی لازمی شرط ہے۔

جب تک ہم اپنی خواہشات کی قربانی دوسرے کے نفع اور خوشنودی کی غرض سے روا نہ رکھیں ہمکو انسان سے کچھ امید نہیں ہو سکتی، بلکہ اس پر بھی خطرہ تمام و کمال سٹ نہیں سکتا گویا انسان سے امید برآری کی طلب میں ہمکو آزاد خیالی سے ناامیدی ضرور ہے۔

جو امید خدا سے ہوتی ہے اوس کی حقیقت

خدا سب کا حاجت روا ہے، مگر خود احتیاج سے مبرا ہے۔ وہ رنج کو راحت سے تبدیل کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔ اوس کے جملہ احکام میں انسانی فائدہ کا راز مضمر ہے۔ عمل کے بعد یہ عقدہ وا ہو کر تازہ بہ تازہ مہر و مسرت کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کا احترام کرتے ہوئے مصیبت پہ صبر کرنا تکلیف کو مژدہ لطف خیز پہونچاتا ہے۔

جملہ کام سبب کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ انسان پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ سبب کے سب دروازے بند نظر آتے ہیں۔ نار حوادث ہر چار طرف سے گھیر لیتی ہے نہ مفر کا موقع ہوتا ہے نہ قرار ہی

ہی ہوسکتا ہے۔ جب تک اسباب نظر آتے رہے ڈھارس بندھا رہا۔ روحانی اطمینان کی وجہ سے اذیت میں کمی رہی۔ مگراب وہ وقت ہے کہ آگ جسم کو ہرطرف سے جلارہی ہے۔ اسباب ناامیدی نے شیرازہ جمعیت خاطر کو جلتے ہوئے شعلوں کے رحم کے سوا دوسرے چارہ کار کی جانب سے مایوس کردیا ہے۔ بے اطمینانی کے نقشہ پہ ٹکٹکی بندھ گئی ہے جس میں رنگ برنگ ہولیں نمودار ہوکر بیقراری میں دکھ دینے والی جدت پیدا کررہی ہیں۔ وہ راہیں سب بند ہوچکیں جسکے ذریعہ سے روح کو سرمایۂ سکون حاصل ہوتا تھا۔
مگر جو لوگ خدا کی شان مسبب الاسبابی پہ نظر رکھتے ہیں ایسی صورتوں میں امید دل کے دروازہ کو کھلا پاتے ہیں۔

جس طرح پھولوں کے شوق طلب میں نوک خار کا زخم کچھ تھوڑا ہی اکھرتا ہے۔ اسی طرح صعوبت کو زمانہ خداشناسوں کے دل پہ اطمینان اور آرام کی جھلکیں ڈالتا ہوا گذرتا ہے۔ انعامات اخرویہ کے ہمراہ مہربان آقا کے شوق لقامیں موت رہگذر آخری نظر آتا ہے۔ اس سے گذرتے ہی کام جان تک رسائی کا مژدہ جاں بخش عالم خیال کو روح تازہ پہونچاتا ہے۔ راحت دوامی کی تمنائیں دنیا کی عارضی تکلیف و رنج بود نابود ہوجاناہی اوس کے رحم کے خیال میں اچھے خاصہ نسخہ مفرح القلوب کا مزہ آتا ہے۔ قصہ مختصر ہمت بڑھانے فرحت پہونچانے کے واسطے ایک خدا کا ماننا تمام دنیا کے اسباب راحت بہم پہونچانے کے برابر ہے۔ جب انسان اور اسباب ظاہر ساتھ چھوڑتے ہیں۔ تو لطف الٰہی دستگیر ہوتا ہے۔

حقیقت خوف الٰہی

یہ امر کامل روشنی میں آچکا ہے۔ کہ انسانی طرز معاشرت اور عافیت کی روح رواں نیک نیتی ہے جبکہ آدمی کا حیوانی مادہ مطلق العنانی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ نیک نیتی کا تقاضا خوف وامید کے منظر دکھلاکر انسان کو راہ پر لاتا ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو وقوع فعل سے پیشتر عالم خیالی میں ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعد ظہور فعل جو کچھ انسدادی اور اصلاحی کارروائی نیت کی بابت انسان کی طرف سے ہوا کرتی ہے وہ بجز مذہب کے کس خیال اور تحریک کے زیر اثر عمل میں آتی ہے۔

پہلا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کارروائی تعلیم کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے۔
مگر تجربہ بتلا رہا ہے کہ جس قسم کی تعلیم ہوتی ہے۔ وہی رنگ طبیعت قبول کر لیتی ہے۔ جنھوں نے شعر و شاعری ناول خوانی میں عمر بسر کی اون کو مذاق زاہدانہ سے تعلق نہیں ہوتا جسکی کتابیں طلب جاہ و مال ہی کا سبق ہو وہ عجز و ایثار کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد صرف یہ جواب باقی رہ جاتا ہے، کہ تعلیم اخلاق کے ذریعہ سے اصلاح نیت کا کام ہو سکتا ہے
یہ جواب آخری ہے۔ اور اس کا جواب بہا بجواب ہی فیصلہ کن ہے۔ کیونکہ اس دعوی کے ساتھ یہ دکھلانا واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم کہاں ہے جس کا ماخذ مذہب نہیں ہے ایسی اخلاقی تعلیم جسکو لامذہبوں نے تصنیف کیا ہو اور اونہیں میں اوس کا رواج ہو کس جگہ ہے۔ اوسمیں خوف درجا کی بنیاد کیا رکھی گئی ہے، اور یہ بنیاد کیا وقعت و لونیں پیدا کرتی ہے۔ کیا تاریخ ایسی مثال پیش کر سکتی ہے۔
آخر کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ روحانی آب حیات کا یہ سرچشمہ مذہبی تعلیم میں پوشیدہ ہے اور لب تشنگان اخلاق انسانی کی سیرابی کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ ہم اتنا معلوم کر کے اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ جو کچھ مذہبی خوف و رجا کے آثار نامعلوم طریقہ پر نفع پہونچا رہے ہیں وہ انسانی طرز معاشرت اور اخلاق کے حیات کی صورت میں ہماری ہر وقت کی خدمت ہے۔ اس کے بعد بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ اصلاح نیت کا کام محض تعلیم مذہبی سے متعلق ہے۔
انسان ضعیف البنیان کی حاجت مندی محتاج بیان نہیں پھر اوسکو خواہشات کی بیگار میں

ہمیشہ کی گرفتاری ہے۔ اس غریب مبتلائے حاجت سے امید ہی کیا ہوسکتی ہے۔ جو کچھ ہوسکتی ہے وہ جب ہی ہوسکتی ہے کہ جو بوجھ اس کے گرانبار دوش پہ ہے اوسمیں سے کچھ حصہ کے اُٹھانے کا بار محنت خود گوارا کیا جائے۔

جو کچھ دہرم شالہ مسافرخانہ اور دیگر بلاغرض خیراتی مصارف ہوتے ہیں اون کی غرض اور غایت تو خدا ہی کا خوف ورجا ہے۔ خالص امید ان ہی سے متعلق ہے۔ وہ محض شرکت غم ہے مگر جب خوف خدا اور تصور آخرت کا خیال اس غم میں شامل ہوجاتا ہے۔ تو یہ غم راحت ہوجاتا ہے جیسا کہ کسی بزرگ کا قول ہے۔ ع

من درد دلِ خویش بدرماں نفروشم

درد دل کا علاج کیوں کیا جائے۔ وہ اب درد نہیں رہا۔ درد کے ساتھ وہ جز شامل ہوگیا جس نے اس کو دوائے دل بنا دیا ہے۔

محبت کا مزہ تو سب ہی اچھا سمجھتے ہیں مگر اس کے لطف سے حظ اُٹھانے کے طریق میں لوگوں میں جداگانہ طرز نظر آتے ہیں یہ تفریق اختلاف خیالات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جو خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اونکی دلبستگی لذات دنیا کے سوا دوسری شے سے نہیں ہوتی۔ جو اون کی خواہشات کا مطلوب ہے وہی ان کا محبوب ہے۔

اس خیال کے لوگ غم کسی قیمت پر خریدنا پسند نہیں کرتے۔ نقد وقت ہی ان کا سرمایۂ راحت ہوتا ہے۔ اونکو تکلیف پر صبر کے بعد نعم البدل کی امید کہاں۔ رنج کی ساعت اون کے خزانہ میں ایسا نقصان ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ سچ پوچھئے تو غم بھی ایسے ہی لوگوں کا حصہ ہے۔ امیدوں کا ہجوم اور مایوسی کی تکلیف ایسے خیالات کا کھلا ہوا نتیجہ ہے۔

جو لوگ طلب دنیا میں خدا اور آخرت کو بھول گئے ہیں وہ ایسے لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ گو

دونوں نے ایک ہی دولت کے کسب میں اپنی ہمتوں کو مصروف کر رکھا ہے۔ اس لئے دونوں کے فعل کا نتیجہ بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ مگر جس نعمت کے امیدوار خدا کے قائل ہر وقت ہو سکتے ہیں ملحد اوس سے محروم ہیں۔

کبر کا خاصہ اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھنا۔ دوسرے کو مقابلتاً بڑھتے ہوئے دیکھکر پیچ تاب کھانا ہے حرص چاہتی ہے کہ خواہشات میں اضافہ ہوتا رہے مگر پورا ہونیمیں دیر نہ ہو۔

لذاتِ دنیا میں نفس کے مرغوب طبیعت ہونیکے اعتبار پر دلدادگان تعیش کے واسطے کبر و حرص سے بڑھکر خوشگوار خصائل نہیں ہیں۔ منکران آخرت و فریفتگان دولت چند روزہ کو ان کی مصاحبت اور مشاورت۔ دوامی ضروریات واتفاقی سے ہے۔

جب یہ دونوں جمع ہوں تو غم خریدنے جانیکی ضرورت نہیں ہے

حرص و کبر اپنی غذائے روحانی کے واسطے ہر وقت غم کے کافی ذخیرہ کے محتاج ہیں۔ کارساز حقیقی جو سب کی ضروریات کا کفیل ہے ان کے خیالات ہی کے ذریعہ سے ان کی غذا مہیا کر دیتا ہے۔ حرص کی اشتہا کے واسطے تمام دنیا کا لقمہ بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ یہ ناکافی لقمہ جب زمانہ بھر کے حریصوں کی کشاکش میں پڑا تو شکم سیری کی جان پر جو کچھ پڑیگی معلوم ہے۔

کبر کو جب سکون ہو سکتا ہے۔ جبکہ تمام دنیا کے کاروبار میں اوس کی مرضیات کو تقدم ہو۔ خدا کی طرف سے مختار عامی کی سند ملے۔ کسی کا بڑھ جانا متکبر کو ناگوار ہوتا ہے۔ دوسروں کی ترقی سے مغرور کے دل پر بار ہوتا ہے۔ یہ مرض بھی لادوا ہے اوروں کی خوشحالی میں اس کے لئے مصیبت کا سامنا ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بھی حرص و ہوا رکھتے ہیں۔ مگر وہ اپنا پرایا سب کا غم کھاتے ہیں۔ بعضے تو ایسے ہوتے ہیں کہ غم ہی اون کا مقصود خیال ہو جاتا ہے۔ اون کی پختہ خیالی کیوجہ سے

اون کو غم میں شادی کا لطف آتا ہے۔ بقول شخصے ؎

غم کھاتا ہوں غم سے مری نیت نہیں بھرتی ۔ کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

یہ لوگ اپنی خواہشات قانون شرع پر نظر رکھتے ہوئے پورا کرتے ہیں، جائز لطف دنیا بھی اٹھاتے ہیں اور انجام اندیشی کی بدولت سرمایہ آخرت بھی بہم پہونچاتے ہیں۔

شریعت نے صرف دنیا کے ضرر رساں امور سے منع کیا ہے اور چیدہ چیدہ بے ضرر لذات کی اجازت دی ہے اس طرح پر لطف دنیا کے منتخب حصہ سے فائز المرام ہوتے ہوئے نقصانات سے بچتے ہوئے دیندار دنیا اور آخرت دونوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ مذہب کے آیندہ کی امیدیں غم کو راحت کر سکتی ہیں، مگر لامذہب راحت میں بھی منقبض رہیگا شاید اوسکو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کس بلا میں گرفتار ہے۔

نیت پر انسانی دسترس نہیں ہے، مگر اللہ کا خوف خفیہ پولیس کی طرح جذبات اور خواہشات کے خلاف اصلاح نیت کا نگران رہتا ہے۔ خدا کا مالک روز جزا ہونا حاضر و ناظر ہونیکی وجہ سے علانیہ اور پوشیدہ امور پر آگاہ ہونا اچھے اور برے کام کی جزا و سزا پر قادر ہونا وہ باتیں ہیں جو بہ مقابلہ جذبات فطری تازیانۂ ادب ہو سکتی ہیں۔ اسیطرح عیش دوامی کی امید چند روزہ لطف خیالی پر لات مارنیکے عوض میں ارزاں سودا ہے۔ خدا کی طرف سے اس قدر اصلاح نیت کی امداد کے بعد انسانی نظم بھی نفع بخش ہو سکتا ہے ضرورت ہے کہ خوف و رجا کو دلمیں جگہ دینے کے ذرائع اختیار کئے جاویں، تاکہ جذبات کے ضرر سے محافظت رہے نیت کا سرچشمہ آلودگی فساد سے پاک رہے۔ یہ نقش جس دل پر کندہ نہیں ہے ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ گندہ نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ خدا و آخرت کا منکر کہہ اُٹھے کہ دانشمندوں نے اپنی عزت بڑھانے انسانی فائدہ کی ضرورت سمجھکر ایسے خوف و رجا کی بنیاد ڈالی ہے۔

اس دعوی کی صورت میں منکر اور ہمارے خیال میں کچھ تھوڑا ہی فرق رہتا ہے۔ فائدہ اور ضرورت

کے اعتراف کے بعد صداقت پر انکار باقی رہ جاتا ہے۔

ہم نے وجود آخرت کے بین آثار جو کہ دنیا میں نظر آرہے ہیں۔ بیان اصطلاحات میں تحریر کئے ہیں اگر وہ اس موقع سے نفع نہ اٹھائے، تو جو روحانی نفع اور ضرر ہمارے اور اوس کے خیال سے دنیا میں پہونچتا ہے اوس کا موازنہ کرے۔

کیا عجب ہے کہ مرنے کے بعد خاک وہوا میں اڑتے پھرنے کے وحشت افزا منظر کے بجائے حیات جاودانی کے روح افزا خیال سے دنیا سے ہی دلکو فرحت پہونچنے کی ابتدا ہو۔ روشن خیالی سے ظلمت باطنی کی کلفت رفع ہو۔ مریض غم کو نسخہ مسرت روحانی ہاتھ آوے۔ اور یہ بھی تسکین وہ نہ ہو تو ہم وہ آثار رکھتے ہیں جن سے خدا کے وجود کا ثبوت کامل ملتا ہے۔

ہر فرد انسانی یہ سمجھتا ہے کہ اوس کے فعل کا حسب دلخواہ نتیجہ اوس کے اختیار میں نہیں ہے۔ انسانی ارادہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ مگر جو سعی مطلب براری کی غرض سے اوسکی جانب سے عمل میں آتی ہے کامیابی کا یقینی ذریعہ متصور نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ باآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہر ارادہ کا پورا ہونا کیوں امکان سے باہر ہے۔

ہم میں سے ہزاروں کے ارادہ ایک ہی غرض کے لئے ایک دوسرے کے خلاف ہر وقت رہا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں سب کا مقصود دلی حاصل نہ ہوسکنا ظاہر طور پر معلوم ہوسکتا ہے۔ یہ بھی تجربہ عام میں ہے۔ کہ ہم نے کسی کام کا ارادہ اوسکو مفید سمجھکر کیا مگر اوس کا مضر ہونا نتیجہ سے ثابت ہوا۔ اسی طرح جو فعل ہماری نظر میں ضرر رساں تھا اوس کا نفع بخش ہونا بھی نظر آتا رہتا ہے۔

اس قسم کی کمزوریاں پاتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی فہم کے اطمینان پر اپنے ہی نفع اور ضرر کو انسان ایسے خطرہ میں پاتا ہے جو اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے فعل کی رفتار کو رازنہ ہے۔ اور

انجام پر اطمینان کسی طرح نہین ہو سکتا ہے۔

جذبات اور خواہشات کے حیلہ باز نا عاقبت اندیش کتنے طرح طرح کے سبز باغ دکھلا کر فعل کو اپنی حسب مرضی عمل کرنے کو ابھارتے ہیں۔ راستہ ناہموار دشوار گذار ہے ہر قسم کے جانی و مالی خطرے سے پر ہے۔ فعل آنکھوں سے معذور ہے راہ بھی دیکھی نہیں ہے۔ مگر اس راہ پر نہ چلنا بھی اوس کے قابو سے باہر ہے۔

ایسے واقعات ہوتے ہوئے ضرورت ہے کہ ہماری امداد ایسے قدرت والے ہاتھ سے ہو کہ جو کمال علم اور عقل کی بنا پر جملہ افراد انسانی کے مطالبات طبعی اپنی بسیط نظر سے معلوم کرتے ہوئے عام مصلحت کے موافق رو براہ کر سکے ایسی ہستی کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اوس کے فعل کو ٹھکرا پانا ایسے وجود کی بابت یقین کامل کا سبب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اپنے اکثر افعال کا برعکس اور حکمت آمیز نتیجہ اسی مصلحت عام کی ایک شاخ ہے۔ ورنہ فعل کی عامیانہ اور بے اختیاری رفتار ایسے پرخدشہ راستہ میں ایک سعی نامحمود اور بے سود ہوتی۔ ہم نے جب اس طرح کی بے قاعدگی میں ایسے حکیمانہ انداز سے در پردہ قاعدہ کا وجود معلوم کر لیا۔ تو یقین آگیا کہ یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ جو کہ تمام دنیا کے نظم افعال میں مصروف کار ہے۔ مصلحت کی ہر شاخ پر نظر رکھتے ہوئے مدارج عبرت اور نصیحت کے خیال کے ساتھ ہماری نیت کا امتحان فعل کے پردہ میں ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہمکو اپنے فعل میں مجبوری نظر آرہی ہے۔ وہ دنیا کی مصلحت عام کی وجہ سے ہے۔

اپنی ناکامی کا سبب اور حکمت دونوں ہمارے پیش نظر ہیں۔ اپنے ارادوں کی ناکامی پر اگر ہم افسوس کریں تو خام خیالی تصور ہوگی۔ حقیقت معاملات سمجھکر ایسے خود غرضانہ اور بے سود مطالبہ کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم حکیم مطلق کے فعل کی دانستہ قدر نہین کرتے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ اپنی خوش تدبیری پر ہمارا اور تمام دنیا کا دارومدار ہے۔ ہمارے خلاف مراد

رنج و راحت اس کے حکم سے ہے اور حکم کا سبب ہماری ہی مصلحت عام ہے۔

جبکہ فہم انسانی میں اپنے فعل کا انجام سمجھنے میں باوجود اشرف المخلوقاتی ایسی کوتاہی ظاہر ہوتی ہے تو نسبتی مقابلہ کرتے ہوئے پانی اور ہوا کے فعل پر بہ اعتبار مصلحت اندیشی جو گمان ہو سکتا ہے۔ وہ کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا ہے۔

پانی اور ہوا کے وجود پر تمام اقسام حیوانات اور نباتات کی زندگی کا انحصار ہے۔ ان کا فیض فطرت نباتات کے پتہ پتہ اور حیوانات کے ہر رگ و ریشہ میں پہونچتا ہے۔

ہر موقع پر مقدار اور ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے تمام دنیا کی حیات ان کے فعل سے قائم ہے۔ پانی کا جا بجا پہونچانا ہوا کے سپرد ہے۔ کیا ہوا میں یہ سمجھ ہے کہ پانی کے مقدار کا اندازہ ہر موقع کے نفع اور ضرر کی ضرورت جان کر کر سکے؟ کیا آدمی کی فہم و فراست کو ہوا اور پانی کے فعل میں کچھ دخل ہے؟

جبکہ ہوا اور پانی کو اپنے حال کی خبر نہیں آدمی کو ان کے فعل میں کچھ مداخلت نہیں۔ تمام دنیا کی زندگی اور موت ان کے فعل کے اندازہ عقلی کی محتاج ہے۔ پھر بھی نظام زندگی کی حکمت آمیز قابلیت کو ہوا اور پانی سے منسوب کرنا اعلیٰ درجہ کے علم و فہم قدرت اور حکمت سے تعلق رکھنے والے کام کو جہل و بے عقلی پر مبنی سمجھکر عقل کی آنکھوں میں خاک جھونکنا ہے۔

ایسے آثار دیکھکر بھی اگر خدا کے فعل پر آگاہی نہ ہو تو ایسی انسانیت پر حیوانیت خندہ زن ہوگی اور شیطنت مسخرہ پن کریگی۔ انسان کے جملہ اعضا تعداد اور شکل میں یکساں ہوتے ہیں۔ جو صورت تمام اعضاء انسانی سے قائم ہوتی ہے۔ وہ بھی ایک ہی سی ہوتی ہے۔ تاہم ہر صورت میں کروروں کی تعداد ہوتے ہوئے ایسا امتیاز پایا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی چال ڈھال اور آواز بھی جدا جدا شناخت میں آجاتی ہے۔ اگر کچھ آدمی بھی کامل مشابہت کی وجہ سے پہچان کے قابل نہ ہوتے تو ضرور ایک دوسرے کے گھر پر قبضہ کرنیکے تنازعات سے امانیت میں خلل ہوتا۔ اور بہت سے فسادات

جو باہمی تفریق صورت کے نظام سے رکے ہوئے ہیں نقص امن کا باعث ہوتے ۔ فعل فطرت سے انسان کا پیدا ہونا تو قرین قیاس ہے ۔ مگر فطرتی عمل یکساں ہوتا ہے ۔ بغیر قوت ارادہ بغیر فہم مصلحت ہر زمانہ میں ایسی بے شمار مخلوق ہے ۔ صورت کا ایسا نظم تفریقی اتفاقیہ فعل کا نتیجہ ہرگز تصور نہیں ہو سکتا ہے ۔ صنعت کے کمال حکیمانہ انداز اور دانشمندانہ صوابدید پہ ہر صورت گواہ ہے ۔ اگر فطرت کا ہاتھ کسی صناع کامل کے تصرف کا معمول نہ ہوتا تو ایسا باقاعدہ اور ضروری نظم ہر زمانہ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آتا ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ہم کہ شرف خاص رکھتے ہیں حقیقت شناسی اور امتیازی مادہ کے موجود ہوتے ہوئے آثار حکیم مطلق دیکھتے سمجھتے ہوئے اتنا بھی غور نہ کریں گے ۔ کہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہے ؟ اور کس لئے ہے ؟

جانور بندۂ خواہشات ہے ۔ مگر قاصر بہ شعور معاملات ہے ۔ ہمکو اپنی عقل حکیمانہ کی رسائی سے عالم آخرت کے آثار نظر پڑ رہے ہیں ۔ وہ ہاتھ ہم نے پہچان لیا جس کی قوت سے زمین و آسمان قائم ہے ۔ اگرچہ ہماری عقل امداد معاملات اُخروی کی شناخت کیلئے دلیل بالغہ اور قاطعہ ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی ۔ موانعات دنیوی اوس کے سد راہ ہیں ۔ مگر نبوت کے ذریعہ سے یہ ضرورت بھی باقی نہیں رہتی ۔ صاف اور سیدھے راستہ پر رہنما کر دیا جاتا ہے ۔ پھر بھی ہم منکر ہو کر بغیر امتیاز نفع اور نقصان کے خواہشات ناروا کے گرویدہ ہو کر ضرر رساں مخرب معاشرت انسانی رسم جاری کرنے کا اقدام کریں تو کمال محرومی ہی نہیں بلکہ شومی بخت ہے ۔ خواہشات بیجا کی گرفتاری تو انسانی اخلاقی معاشرتی زندگی کی موت ہے اس کا کمال تو انسے اجتناب میں ہے ۔ ایسے شخص کی مثال بعینہٖ ایسی ہے ۔ جیسے کوئی عمیق گڑھے میں جسمیں جھانکڑ ہوں قصداً گر کر اپنے کو کانٹوں میں الجھنے کی تکلیف میں ڈالدے ۔ جب کانٹے چبھیں تو ان کے نکالنے کی کوشش کرے ۔ جب تکلیف کچھ کم ہو جاوے

تو پھر غافل ہو جاوے۔

فلسفہ اور مذہب کا مقابلہ

مذہبی اصول سے بے بہرہ جب تعلیم فلسفہ حاصل کرتے ہیں، تو اون میں سے بعض ایسی خیالی الجھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نہ وہ عقدہ خود اون سے وا ہو سکتا ہے نہ دوسروں سے تحقیق کی تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ اس طرح فلسفہ طریق مذہبی کا اکثر سدراہ ہو جاتا ہے۔ سیر گلزار مذہبی سے پہلے اس حجاب راہ کو اٹھا دینا بھی ہماری غرض تصنیف میں ضروری مرحلہ ہے۔ یہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ فلسفہ اور مذہب دونوں کی حقیقت کو ظاہر کیا جاوے۔

فلسفہ اوس علم کو کہتے ہیں، جسمیں مطالعہ آفرینش باعتبار مشاہدہ اور تجربہ کیا گیا ہے، اور جملہ مقبول عام تجربات کو سلک تحریر میں لایا گیا ہے۔ انسان اپنی طرز زندگی میں بہت کچھ تبدیلیاں اس علم کی بدولت دیکھ رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ اس دنیا کے پیدا کرنیوالے نے انسانی زندگی کے شاندار اور آرام دہ بنانے کے واسطے حجاب در حجاب چھپا رکھا تھا، وہ بہت کچھ اس علم کی بدولت روز روشن میں آچکا ہے۔

میرا خیال یہ نہیں ہے کہ علم فلسفہ مذہبی خیالات میں کمزوری کا سبب ہو سکتا ہے، میری دانست میں یہ علم استحکام عقائد کا سبب ہونا چاہیئے۔ جو کچھ برعکس نتیجہ دیکھنے میں آرہا ہے وہ حقیقت مذہبی کے جہل کا سبب ہے۔ اگر دونوں علوم کا لب لباب پیش نظر ہو تو فلسفہ بھی خوبی مذہب کا کارآمد تائیدی شاہد ہو سکتا ہے، اور ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ عام مضمون کے ذریعہ سے ذیل کے سوالات کو حل کیا جاوے۔ اس کے بعد فلسفہ اور مذہب کی بابت خیالی الجھن دفع ہونے میں بہت کچھ امداد پہونچ سکتی ہے۔

اول یہ کہ اصول مذہب اور فلسفہ کا طبعی اثر خیال پر کیسا پڑتا ہے۔ اور اوس کا نتیجہ کیا ہے
ہر ایک تعلیم کا نقصان اور نفع کیا کیا ہے؟

صداقت کی جھلک کس میں ظاہر ہوتی ہے اور کیونکر؟

فلسفہ کا جد و جہد دنیا تک محدود ہے، بلکہ دنیا میں بھی ناتمام ہے۔ ناتمام بھی اس طریقہ پر ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ دنیا کی مدت العمر میں جملہ اہل فلسفہ نے کیا ہے وہ نسبتاً اوس کے مقابلہ میں کتنا ہے۔ جو کہ اونکو کرنا باقی ہے۔

اہل فلسفہ کا ہر مسئلہ میں اتفاق بھی نہیں ہے۔ نہ انکا اختلاف اہل مذہب کی طرح ہے اہل مذہب جانی اصول سے کبھی انحراف نہیں کرتے۔ ان کا اختلاف باہمی افہام تفہیم کی بابت ہوتا ہے۔ مگر اہل فلسفہ اگر آج کسی اصول پر دلائل بیان کرتے ہیں تو کل اسی کی تکذیب خود ہی کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کچھ اصول آج جس طریقہ پر مانے جا رہے ہیں۔ وہ سب ہمیشہ اوسی طریقہ پر آئندہ بھی مانے جا سکتے ہیں۔ اس کوتاہ نظری اور خام خیالی کے باوجود پختہ خیالی کے بھی مدعی ہیں۔ جو کہ بجائے خود اون کی حالت کے اعتبار پر عیب تصور کیا جاویگا۔

اگر انسان سے اس کا اخلاقی حصہ جدا کر دیا جاوے تو جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ محض حیوانیت ہوتی ہے۔ اگر ہم کو انسانی زندگی سے فائدہ حاصل کرنے کی حاجت ہے تو اخلاقی حالت کو قائم رکھنا بھی ہمارا فرض ہے۔

جب تک کوئی ایسی وجہ اور قوت نہ ہو کہ ہماری نیت اور عمل پر طبعی جذبات ناروا کے مطالبات کا آغاز ہوتے ہی تصرف کرنیکے قابل ہو۔ اور ہمارے بیجا خیالات پر اپنا غلبہ قائم کر سکے۔ ہم اپنی اخلاقی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتے ہیں۔

جس نے اوس حالت کا تجربہ کیا ہے جو کہ طبعی جذبات کی صورت میں عام خیالات میں پائی جاتی

ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس طوفان بلاخیز کا جوش فرو کرنے کے واسطے کس قوت اور اہتمام کی ضرورت ہے۔ گو مذہبی امداد کی وجہ سے یہ ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن اگر فلسفہ کا اثر حد سے تجاوز کر جائے تو ضرورت پڑیگی کہ فلسفہ جذبات کو پابند ضابطہ کرے۔ اور نیت کو خواہشات بیجا کے اثر سے محفوظ رکھنے کی غرض سے کوئی تدبیر کرے۔ ورنہ خواص انسانی سے دست بردار ہو کر وحشیانہ خودغرضانہ زندگی کا دور شروع ہوگا۔ اصول فلسفہ ہی اوس وقت تک ایسے نازک ارادہ میں معین کار ہونگے۔ جب تک کہ انسانیت کا بیڑہ تمام وکمال دریائے حیوانیت میں غرق نہ ہو جائے۔ اوس وقت فلسفہ کو خوف ورجا کی حاجت ہوگی۔ خوف انسانی کی حقیقت تو ہم نے ظاہر کر دی ہے رجا میں بجز ایک نصیحت مشفقانہ کے فلسفہ کے پاس کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ انسانی طرز معاشرت قائم رکھنے کی غرض سے نفس کے خلاف تکلیف برداشت کرنیکی ضرورت ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت مشفقانہ سچی اور مفید ہے مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ جنگ جذباتی میں کیا وقعت رکھتی ہے۔ فلسفہ کے علمی فعل کا ماحصل تو محض اسباب تعیش فراہم کرنا اور نفس اور خواہشات کی قوت بڑھانا رہا ہے۔ اوس کا مطمع نظر راحت دنیا ہے۔ جس کا مرتے ہی خاتمہ ہے۔ زندہ رہنے کی بابت ایک دن کے واسطے بھی یقین نہیں کیا جا سکتا ہے اس صورت میں نشہ نفسانیت کا مخمور جو کچھ مستقبل کی قدر کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کیا کوئی ذیعقل یہ امید کرے گا کہ وہ تقاضہائے فطری جو کہ مذہب ایسے خوش آیند اور خوفناک دوامی منظر ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے سخت سے سخت مجرمانہ دلیری کا سبب ہوئے۔ ایسی کمزور بنیاد پر اخلاقی طوق وزنجیر گلے میں ڈالنے کے واسطے رضامند ہو سکتے ہیں۔

مریض تو مرض میں راحت پا رہا ہے۔ زیادتی مرض کو شفا جانتا ہے۔ طبیب اگرچہ خود اوسی مرض میں مبتلا ہے۔ بدپرہیزی کا مریض کے علم میں مرتکب ہے۔ مگر مریض کو پرہیز کی ہدایت کر رہا ہے جیسا کہ ایسے طبیب کا اس قسم کے مریض سے تعمیل حکم کا متوقع ہونا حیرت انگیز ہو سکتا ہے۔ اوس

سے لبا تعجب خیز فلسفہ کا خیال اس نصیحت کے کارآمد ہونے کی بابت تصور کیا جاویگا۔ فلسفہ میں شان دنیوی امتیازی وجود پایا جاتا ہے۔ ہمارے بیان سے اوسکی ملمع کاری کہتی ہے ہماری تحریرے گہری فلسفیانہ اثر رکھنے والی پر یکایک تحیر پیدا ہوگا۔ ایسے شخص کو حیرت زدہ ہونا کافی سبب رکھتا ہے۔ اس لئے ہمکو واضح بیان کی ضرورت ہے۔ فلسفہ عجائبات دنیا تک محدود ہے بلکہ اس کا بہی ایک نامعلوم محدود حصہ ہے۔ اس صورت میں اس کا نفع بہی دنیا تک محدود ہے۔ اور اس میں بہی بعض حالتوں تک محدود ہے۔ جن پر فلسفیانہ خیال کا غلبہ ہوتا ہے اون کے خیال میں دنیا کی عظمت ہوتی ہے۔ اون کا مقصد دنیا ہے اوسی کی طلب ہوتی ہے جیساکہ فلسفہ کو اخلاق سے تعلق ہے۔ ہم ظاہر کرچکے ہیں جو کچھ دنیا طلبی خودغرضی اور بد اخلاقی کی صورت میں ہوسکتی ہے۔ وہ سوائے حکومتانہ مجبوری کے محبت کے پیرایہ میں نہیں ہوسکتی ہے۔ دین اون کو معلوم نہیں۔ جو کچھ اُنہوں نے معلوم کیا اس کی یہ صورت ہے۔ خیر۔ چونکہ دین کے فیض سے وجود اخلاقی کو مدد پہونچ رہی ہے اس لئے فلسفہ کی قراحی حالت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ مذہب کی اون خوبیوں کا بیان جو فلسفہ کی حالت پر روشنی ڈالیں خود فلسفہ کا ہی بیان ہے۔ اگرچہ مذہبی صورت میں ہو اسلئے ہم یہی طرز اختیار کرتے ہیں تاکہ دو فائدے ساتھ ساتھ حاصل ہوں۔

مذہب اون اصول کا مجموعہ ہے، جو کہ خالق کونین نے انسانی ضرورت کے مناسب حال خود اپنے علم وسیع اور حکمت کاملہ سے مصلحت انسانی پر نظر کرتے ہوئے تجویز فرمائے ہیں، مذہب جس عظیم الشان درخت علم کا پہل ہے اوسکی ذراسی ٹہنی پر فلسفہ کے آشیانہ کے بہی چار تنکے رکھے ہوئے ہیں۔

ضمیر انسانی آئینہ حقیقت نما ہے، بجز صداقت کے یہ مطمئن نہیں ہوسکتا ہے۔ جو اطمینان صداقت آمیز انسان سے مذہبی صورت میں دیکھا جاتا ہے وہ عدیم النظیر ہے.........

جان و مال سے دریغ نہ کرنا اور پھر خوش باخوش ہونا غیرت مذہبی کے موقع پر عموماً دیکھا جاتا ہے ضمیری صداقت پر یہ شہادت عام اور سب سے زیادہ قابل قبول ہے۔ جسکو دیکھتے ہوئے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ فطرت انسانی اور مذہب میں روحانی اتحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم فلسفہ کے زیر اثر اخلاقی سچی پابندی دنیا کے کسی حصہ پر ثابت نہیں اور مذہب کے ذریعہ سے ایسی تعلیم ہر مقام پر ہے۔ رنج و محنت میں اپنی پرائی خاطر آرام قلبی کا احساس۔ مذہبی تعلیم کا خاص نقطہ خیال ہے مذہبی اصول پر غور کرنا اوران پر عمل کرنا ایثار نفسی کی عادت پیدا کرتا ہے۔ کسی فلسفہ والے اور پابند مذہب کے طریق عمل سے تجربہ کرنیکے بعد اونکی رنگ طبیعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مذہب کا شاندار مستقبل جذبات بیجا کے خلاف عمل کو راحت میں تبدیل کر سکتا ہے اوس کا خوف خواہشات ناروا سے رکاوٹ کو آسان کردیتا ہے۔

اہل مذہب کا اپنے معبود کی عبادت میں حکماً باقاعدہ عمل پیرا ہونا اس کا کامل ثبوت ہے کہ مذہبی صداقت کا اثر جنگ جذبات میں فتح حاصل کرنیوالی طبیعت رکھتا ہے۔ اخلاقی مواقع پر مذہبی مقابلہ میں خوش خوش سخت سے سخت دینوی نقصانات پر راضی ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ اخلاقی زندگی کی روح مذہب میں پوشیدہ ہے۔

مذہب انسان کا ایجاد کیا ہوا نہیں ہے۔ جو انسان اور کل جہان کا خالق ہے، وہی مذہب کا بھی موجد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو علوم محض انسانی فہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ مذہب کی وسعت علمی کو سمجھنے میں قصور کرتے ہیں تو جیسا کہ جہل کا خاصہ ہے علم کے منہ آتے ہیں۔

آدمی بعض علوم کا ماہر ہوسکتا ہے۔ اور خالق تو تمام علوم کو جو انسانوں میں رائج ہیں جانتا ہے۔ انسان میں ہر حالت میں ایک سے دوسرا کسی نہ کسی اعتبار پر ترجیح رکھتا ہے۔ مگر خدا ہر علم میں کمال رکھتا ہے۔ جو کچھ اسکے ماسوا خدا کو علم ہے وہ خدا ہی جان سکتا ہے۔

چونکہ اصول مذہب کا مخرج وسعت علمی ہے اس وجہ سے وے تین حصوں پر منقسم ہو جاتے ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جسکو کما حقہ تو خدا ہی سمجھ سکتا ہے۔ انسان اپنی خلقی اور علمی کمزوری کی وجہ سے اوسکی فہم سے عاری ہے۔ اس کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے۔ مگر خواص عجز بشری رکھتے ہوئے اس حصہ کے حقیقت آشنا ہوئے ہیں۔

دوسرا حصہ ہے جو گروہ متوسط پر مذہب کے مطابق کثرت عمل کے بعد منکشف ہوتا ہے۔ وہ کیفیات روح انسانی کا علم ہے جس کا نام سننکر اور کچھ آثار معلوم کرکے دریافت حقیقت میں فلسفہ نے بھی لاحاصل دماغ فرسائی کی ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت مذہبی باقاعدہ امداد کے بغیر نہیں کھل سکتی ہے۔ نہ یہاں فلسفہ کو کچھ دخل ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مسمرزیم یا کسی خیالی قوت وغیرہ پر اس حقیقت کا قیاس کرلیں۔

تیسرا حصہ عام طور پر جمہور سے متعلق ہے۔ اور اس میں احکام اخلاقی ہیں۔ اس حصہ میں دنیا کی مزاج دانی معراج کمال پر ظاہر ہوتی ہے۔ جو ان احکام پر عمل نہیں کر سکتا ہے۔ وہ بھی اقرار صداقت کرتے ہوئے اپنی غلط کاری کا معترف ہے اور مجرمانہ طریقہ پر شرمندہ نظر آتا ہے۔ اس تیسرے حصہ میں حیوانیت کو مذہبی صوابدید احکامی کی مضبوط رسی کا مقید کیا گیا ہے۔ جو کچھ اخلاقی فائدہ اور ناروا خواہشات سے پرہیز میں راحت۔ اہل مذہب سے اس حصہ کی پابندی میں بھی جاتی ہے وہ فلسفہ کی بیش بہا خوبیوں کو شرمندہ کرنے کے واسطے بہت کافی ہے۔

چونکہ فلسفہ کو علم آلہی کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ مگر اپنی ہمہ دانی کا دعویٰ کافی سے وافی ہوتا ہے اس لئے جہل اور غرور دونوں کی آمیزش سے مذہب پر جاہلانہ اور متکبرانہ حملہ کرتا ہے۔ مگر اس طریقہ پر مذہب کی شفقت کریمانہ سے خاص ہمدردی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

فلسفہ میں اخلاقی کمزوری اور خود غرضی کی ترقی ہے۔ فلسفہ میں انسانی تعلق اپنے ہی ذاتی نفع کا ہوا کرتا ہے۔ مگر مذہب کی خاص غرض بلکہ مقدم ضرورت دوسروں کی خدمت اور نفع ہوتا ہے۔ اس لئے

فلسفہ نفسانیت کو اور مذہب اخلاق کو پیدا کرتا ہے۔ اور انسان کا شرف اخلاق سے والبستہ ہے۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ میں انسانی مزاج شناسی کا کمال نہیں ہے۔ بلکہ اوسمیں خلاف اور مضر آثار ہیں۔ جن کا تجربہ ہی شاہد ہے۔

مذہب نے دنیا اور خالق کو انسان کے روبرو ایسی صورت میں پیش کیا ہے۔ کہ جب انسانی خیال اس صورت کا فوٹو لیکر اصل سے مطابقت کرتا ہے۔ تو یقین کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کہ دونوں میں صحیح مناسبت ہے۔ اس کے بعد تیقین صداقت آمیز تعمیل احکام کو مقصد طبیعت کردیتا ہے۔ اور مذہبی ہدایت سے نفس کا کامیاب مقابلہ آسان ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اوروں کو تکلیف کی صورت ہوتی ہے۔ وہ مذہبی رنگ میں تفریح روحانی کا سبب ہوجاتی ہے۔ ؎ شعر

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ۔۔۔ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

مولانا روم ع

عاشقاں را درد و غم حلوا بود

محض وہ نا تجربہ کار جو مذہبی جوش محبت سے بے خبر ہیں۔ جو اخلاقی خوبیوں کے فوائد مذہبی عمیق نظر کے پیمانہ پر نہیں سمجھتے۔ دنیا کی سحر طرازی میں پھنسکر فلسفہ کے دلدادہ ہوجاتے ہیں۔

لطف جب ہے کہ اخلاقی خوبی تو مذہب سے سیکھے۔ اور مطالعہ آفرینش فلسفی نظر سے کرکے انعامات دنیوی سے خود فیضیاب ہو۔ اور دوسروں کے فائدہ کی نیت رکھے۔ تاکہ شکر نعمت بھی ہو۔ اور خالق کی حکمت اور صنعت کا کمال معلوم کرکے نسبت عبدیت کو مدد پہونچے۔ ہم نے مذہب اور فلسفہ کے فائدہ پر فلسفیانہ نظر ڈالکر غور کیا تو معلوم ہوا کہ مذہب ہر شخص کے لئے ہر حالت میں راحت قلبی اور مسرت حقیقی کا ذریعہ ہے اور فلسفہ خاص صورت میں بعض شخص کو کسی وقت راحت پہونچا سکتا ہے وہ بھی دنیا میں۔

چشم آں باشد کہ نہ فلک را بیند ۔۔۔ چشمے کہ بہ نور مہر بیند کورست

قانون کی ضرورت اور خوف ورجا

جب فلسفہ اور مذہب کی بحث ختم ہوچکی تو گذشتہ مضمون کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہوئی اور وہ دو امور ہیں۔

اول :۔ جو تنازعات ذمہ داری اور اعتبار کی وجہ سے ہوں اون کے فیصلہ کے واسطے قانونی ضرورت کا ہونا۔

دویم :۔ خوف ورجا کا بیان کیونکہ ان کے وجود پر نیک نیتی موقوف ہے اور قانون کا نفع نیک نیتی کے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ہمکو یہ سمجھنا ہے کہ اپنے معاملاتی اصلاح کے لئے ہمکو کونسے ذرائع سے کام لینا چاہیئے۔ کہ بہترین قانون تجویز ہوسکے۔

ہم کیونکر اطمینان کرسکتے ہیں کہ جو قانون بنایا گیا ہے وہ ہمارے اغراض کے واسطے ایسا کافی ہے کہ اس سے بہتر مفید اور بے نقص تجویز نہیں ہوسکتی ہے۔

جب قانون وضع ہوجاوے تو دو امور غور طلب ہوں گے۔

اول اس امر کا اطمینان کہ واضعان قانون کا منشا اوس کے وضع کرنے میں محض قانونی مقصد کی اصلاح کا تھا۔ کسی ذاتی غرض کو دخل نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ قانون بنانے میں اون جملہ امور پر لحاظ کیا گیا ہے جن کے بغیر قانون کے فائدے میں کسی نقص کے رہجانے کا اندیشہ متصور ہوسکتا ہے۔

قانون وہی بناسکتا ہے جو اسکو جاری بھی کرسکتا ہو۔ اس طرح پر دو فریق ہوجاتے ہیں۔ ایک تو وہ فریق جو قانون وضع کرے۔ دوسرا وہ جس کے لئے قانون وضع کیا جاوے۔

مذکورہ بالا غرض سے اوس فریق کو جسکو قانون سازی میں دخل نہیں رہا دو امور پر غور کرنا ہوگا۔

اول اس امر کا اطمینان کہ قانون ساز جماعت کا نفس ذاتیات سے مبرا ہے۔

دوسرے یہ کہ قانون جملہ مقاصد مطلوبہ اغراض قانونی پر شامل ہے وہ بھی اس طریقہ پر کہ بہتر صورت تجویز نہیں ہوسکتی ہے۔ ایسا ہونا اوس وقت ممکن ہو جبکہ قانون ساز جماعت آئین فطرت کی فہم کا ایسا کمال رکھتی ہو کہ جو تخلیق کے وقت فطرت نے ملحوظ رکھا ہے۔ وہ سب اس جماعت کے پیش نظر ہو۔ یا یہ کہ فطرت اور اس جماعت کی فہم ایک ہی تصور ہوسکے۔ دوسرے یہ کہ اس جماعت کے نفوس ایسے ظاہر ہوں کہ لوث بشری کا گمان اونکی طرف نہ ہوسکے۔

مثلاً شرط لگانا جوا کھیلنا۔ قانون ساز جماعت نے اوسکو اخلاقی قرینہ سے تفریحی صورت میں سمجھکر بعض حالتوں میں جواز قائم کیا۔ یہ اندازہ کہ فطرتی قاعدہ کے موافق بھی یہ حکم کسی قسم کی خرابی کا سبب نہیں ہوسکتا۔ قانون ساز جماعت کے ذمہ دارانہ فرائض میں ہے۔

پردہ کرنا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ شر زنا کا علاج تحفظ نسل کا ذریعہ اور شرم و حیا پیدا کرنیوالا ہے۔ مگر غیر مسلم کی نظر میں ممکن ہے کہ مضر صحت بیجا قید۔ فہم کو محدود رکھنے والا متصور ہو۔ فطرت سے واقعیت کا فیصلہ کرنا اس طریقہ پر کہ شبہ کو گنجایش نہ رہے۔ قانون ساز کا فرض ہے

سوال یہ ہے کہ کوئی قانون ساز جماعت ایسا نفس مرکزی رکھ سکتی ہے۔ کہ ایسی صورتوں میں اس کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو اور اوس کی صحت نظری کی بابت یہ خیال ہوسکے کہ اوس کی ہر تجویز میں آئین فطرت کے خلاف کسی غلط فہمی کا احتمال باور نہ ہونیکے وجوہ ہیں۔

میری سمجھ میں اس میزان میں وزن کرتے ہوئے انسانی قانون کو نقص سے مبرا نہیں کہہ سکتے جبکہ قانون میں نقص رہیگا تو بقدر نقص اصلاحی ضرورت میں فتور واقع ہوگا۔ انسانی قانون بھی فلسفہ

کی طرح ہمیشہ فیض فطرت کا محتاج رہیگا۔
دوسرا امر خوف ورجا کے ذریعہ سے نیک نیتی پیدا کرنا ہے۔ تاکہ قانونی عملدرآمد میں پختگی ہوکر انسانی طرز معاشرت کا کمال حاصل ہوسکے۔
غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ خود خوف ورجا قانونی ضرورت کو تکمیل کے انتہائی درجہ پر پہونچاتے ہوئے پورا کر رہے ہیں۔
ہر ایسے امر میں جسکو خدا نے ہماری ذمہ داری میں حکماً داخل کر دیا ہے ہمکو آخرت اور دنیا میں خدا سے کچھ خوف بھی ہے اور امید بھی ہے۔ خدا کا علم بسیط جملہ امور پر حاوی ہے نہ کوئی امر باقی رہ سکتا ہے جسکی بابت حکم نہ کیا جائے۔ نہ یہ گمان ہوسکتا ہے۔ کہ انسانی قانون کی طرح اوس میں کسی نقص کا احتمال ہے۔
اپنی قانونی قابلیت کی کوتاہی سمجھتے ہوئے ہم کو ضرورت بھی تھی کہ قابل اطمیان قانون سے اس حاجت کو رفع کیا جائے۔ اور صرف اسی طریقہ پر یہ کوتاہی دفع ہوسکتی تھی ورنہ ہماری خلقی اور عملی مطابقت میں فتور ہونیکا اعتراض باقی رہ جاتا۔
جب ہم اون خوبیوں پر نظر کرتے ہیں جو کہ اسلام نے اس ضرورت کی تکمیل میں مد نظر رکھی ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس ضرورت کے نفع کا کمال صرف اسی طرح حاصل ہوسکتا تھا۔ اوسی وقت ہماری روح فرط مسرت سے فیض اسلامی پر نثار ہونیکو تیار ہو جاتی ہے۔
فائدہ:۔ معترض کہہ سکتا ہے۔ کہ قدرت نے قانون سازی کا مادہ انسان میں پیدا کرکے ناحق فضول کاری کا الزام اپنے سر لیا؟
جواب:۔ قدرت کو اپنا قانون جاری کرنا نہ ہوتا تو ایسی کوتاہی بھی انسان میں نہ پیدا کیجاتی کوتاہی کے ساتھ اس مادہ کا ہونا اس غرض کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مادہ کا مقصد پیدایشی

قانون الٰہی پر اطمینان صحت حاصل کرنیکی قابلیت ہے۔ یہ خاص حکمت پر مبنی ہے جس کا بیان اپنے موقع پر ہوگا۔ اور وہ اپنی معرفت اور تعلق پیدا کرانیکی ضرورت ہے۔

اگر خوف و رجا پیدا ہو جاوے تو اصلاحی قانون کی واقفیت اور اوس پر عمل کی رغبت خود بخود پیدا ہو سکتی ہے۔ ع۔

شوق ور ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست

لہذا یہی سب سے زیادہ مفید کام ہے اور ہماری سعی کی غرض کو اس سے تعلق خاص ہے۔

خوف اور رجا پیدا ہونیکا طریقہ

جب تک خدا کی عظمت اور اختیار پر آگاہی یقین کے ساتھ نہ ہو خوف و رجا نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔ آگاہی اور یقین دو جدا جدا امور ہیں۔ آگاہی تو زبانی فہمایش پر ممکن ہے۔ مگر جب تک حقیقت منکشف نہ ہو یقین دل میں گھر نہیں کر سکتا ہے۔

عظمت اور اختیار بھی دو طرز پر دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک تو اوس کے احکام کے نتیجہ کے تجربہ سے۔ دوسرے اوس کے علم صفات سے اور ہر ایک میں یقین اور آگاہی دونوں کی حاجت ہے

اسلامی مذہبی احکام کی پابندی کا نتیجہ

جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ میں آتا ہے

عظمت قائم کرنا اور غلبہ پیدا کرنا دنیا کے ایسے مطالبات ہیں۔ جو کہ باوجود عام طلب کے شاذ میسر ہیں۔ اہل دنیا ان کی طلب میں جانی تکلیف اور مالی صرف بخوشی گوارا کرتے ہیں سنگین اور عالی شان عمارات حشم و خدم زر و جواہر سے اپنی عظمت کا اظہار کرتے ہیں۔ غلبہ کی خاطر تو ہر ناروا کام روا ہو جاتا ہے۔ اس کی خواہش کے وقت ظلم کی نوعیت خیال میں حق پرستی کی صورت میں

نظر آنے لگتی ہے ۔ القصہ عظمت اور غلبہ دنیا کے اعلیٰ اور نایاب مقاصد ہیں۔ انسان زر و جواہر تو عظمت پر اور اپنی اخلاقی خوبیاں غلبہ پر نثار کیا کرتا ہے۔

ہمکو یہ دکھلانا ہے کہ بے ریا طریقہ پر اسلامی اصول کی پابندی ہونے سے انفرادی اور اجتماعی صورت میں عظمت اور غلبہ کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں جس کو تجربہ ثابت کر رہا ہے۔

اسلام میں غلبہ بے سامانی کی حالت میں اور عظمت خاکسارانہ صورت میں اس طریقہ پر ظاہر ہوتی ہے ۔جس کی جوابی نظیر پیش کرتے ہوئے دنیا عاجز ہو جاتی ہے۔ اور یہ اصول اسلام کی ظاہری کمال کی واضح اور روشن دلیل ہے۔

جبکہ خالق کل کی عظمت اور کبریائی دل نے تسلیم کر لی۔ تو نتیجہ کے طور پر عبودیت اور نیازمندی پیدا ہو جانا بھی لابدی ہو گیا۔ جہاں خالق کی حقیقی عظمت کو دخل ہے ۔وہاں مخلوق کی نمائشی شوکت کو بار یابی نہیں ہو سکتی دوسرے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اپنا مادہ خودی نیازمندی ہو جاتا ہے ۔ایسی حالت میں ۔ دنیوی اغراض احکام الٰہی کے مغلوب اور اپنی خواہش رضا جوئی دل میں فنا ہو جانا ضروریات سے ہے

رضائے الٰہی میں جملہ فوائد اخلاقی موجود ہیں ۔ اخلاق الٰہی میں خوبیوں کا سچا کمال ہے اور اخلاقی خوبیوں میں تسخیر قلوب کا مادہ ہے ۔ تسخیر قلوب سے غلبہ ظاہر ہوتا ہے ۔ جو کہ بہ تدریج ان خوبیوں کے ہمراہ ترقی کرتا جاتا ہے ۔یہی غلبہ صداقت اصول کی معیار ہے۔ اور اس کا کمال صداقت کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔

جب خودی مٹ گئی تو اپنی زیبائش اور سامان کلفیال بھی نہ رہے گا۔ مگر رضائے الٰہی کے لحاظ کے ساتھ تعمیل احکام الٰہی میں دنیا کا کام ترک کرنا شامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کا مقصود دنیا پیدا کرنے سے دنیا کا تمام کام ہے اوس کے احکام ہر امر میں اوس کی رضا کی تفصیلی تصریحیں اور ترغیب

ہیں ہاں دنیا خدا کی ہے اور اس میں جو کچھ ہو اوسی کے حکم کے تحت میں ہونا چاہیئے۔ جب جیل میں رہکر نگر سے بیر پڑا ہے۔ تو دنیا میں رہکر خدا سے اختلاف میں کیا حشر ہوگا۔

رسول اکرم سرور عالم کے زمانۂ مبارک میں جبکہ حضور کے نور اخلاق نے قلوب کو سچے اور بے ریا طریقہ سے منور کرنا شروع کیا۔ تو اون کمالات اخلاقی کی بنا قائم ہوئی۔ جسکو دنیا کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا نہ دیکھنے کی امید باقی رہی اور وہ اعلیٰ نتائج ظاہر ہوئے جو سب سے اعلیٰ اور اکمل اخلاقی صورت میں ہونا چاہیئے۔

چنانچہ خاکسارانہ صورت اور بے سرو سامانی کی حالت میں وہ غلبہ اور ترقی ہوئی۔ جس کی نہ تو دنیا میں نظیر ہی ہو سکتی ہے نہ وہ پوشیدہ ہے۔

حضور اقدس کی ذات جامع کمالات میں صفات الٰہیہ کا ظہور سب سے زیادہ اکمل طریقہ پر موجود تھا۔ اسلئے حضور کے اخلاق فاضلہ میں وہ تسخیر بھی تھی جو آپ ہی اپنی نظیر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ کا سچا اور پاکیزہ اخلاق تسخیر قلوب میں روز بروز کامیاب ہوتا گیا اور آپ کے بلا تصنع صداقت کا اثر اصحاب کبار پر اس قدر گہرا پڑا جو کہ حضور کے لاثانی خلوص کے پرتو کی وجہ سے بے مثل تھا۔ آخر یہ صداقت چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ تھی۔ اس لئے جلد سے جلد کامیاب ہوئی۔ اور غلبہ کے قائم رہنے والے آثار نمایاں کچھ ہی عرصہ میں نظر آنے لگے۔

مگر جیوں جیوں قرب کی چھوٹی جماعتوں پر غلبہ ہوتا گیا۔ دنیا کی بڑی جماعتیں رفتار ترقی کی مزاحم ہوئیں۔ جیسا کہ فطرتاً ہوا کرتا ہے۔

زمانہ بدل گیا۔ اصحاب کبار مسند خلافت راشدہ پر رونق افروز ہوئے رہی تیس برس تک کا زمانہ حضور کی پیشین گوئی کے مطابق پیغمبر کی جانشینی کا ہے۔ گو وہ ذات جامع کمالات نہ رہی مگر قریب تر دور تھا۔ ایک ہی مقام پر متفرق طور پر حضور کے اخلاقی کمالات اصحاب کبار میں موجود تھے

اس لئے اسباب غلبہ قائم تھے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تمام دنیا کا ٹکراؤ اسلام سے ہوگیا۔ اور کچھ ہی عرصہ میں تمام دنیا اسلام کے روبرو مخالفانہ صورت میں کھڑے ہونیکے قابل نہ رہی۔

یہ بےسروسامانی کی حالت میں اور خاکسارانہ صورت میں غلبہ کے کمال کی تاریخی مثال ہے جسمیں کا ظہور اجماعی صورت میں احکام اسلامی کی تعمیل سے بطور نتیجہ نمایاں ہوا۔ خلیفۂ وقت کا پیوند دار گدڑی زیب تن کئے ہوئے بازار میں تعمیل احکام الٰہی میں بہ نفس نفیس سرگرم رہنا ارکان دولت اور افسران اعلیٰ کا گزی گاڑھے میں خوش رہنا۔ زینت ظاہر سے متنفر ہونا پھر اس رنگ میں عمومیت صاف طور پر یہ ظاہر کررہی ہے۔ کہ جو غلبہ بذریعہ فتوحات دنیا بھر پر قائم ہوا۔ اوس کا سبب دنیا طلبی کے خیالات کے ساتھ ملک گیری کی حرص نہ تھی۔ بلکہ اخلاقی جرات اور دیگر کمالات اخلاقی کے نتائج کا ظہور اس صورت میں ہوا

یہ اوس عیب کی حقیقت ہے جسکو مخالفان اسلام زور شمشیر سے اشاعت مذہبی کو منسوب کرتے ہوئے ظاہر کیا کرتے ہیں۔

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبےست گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

انفرادی پابندی احکام الٰہی کے سچے اور لےریا مثال ہیں۔ میں اپنے حضرت مولانا و مقتدانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ اور اون کے صاحب سجادہ مرشدی مولائی حضرت احمد میاں صاحب قدس سرہ کے حالات کو پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا صاحب کی دوران زندگی کی ابتدا کمال افلاس اور بے سروسامانی میں ہوئی۔ آپکی فہم حق رس کو احکام الٰہی کے صحیح موقع اور مناسب طریقہ استعمال کی سمجھ کے ساتھ اون پر کاربند رہنے کا ذوق و شوق بھی کمال درجہ کا تھا۔ فی زمانہ آپ کی حیات مشرع زندگی کا سلجھا ہوا بہترین نمونہ تھی۔ لہذا آپ کی شان عظمت کے آفتاب نے عروج کمال پر پہونچکر

اپنی شعائیں مشرق سے غرب تک پہونچائیں۔

بڑے بڑے متکبر اور دنیا کے صاحب وجاہت اور اقتدار جن کے ہاتھ میں اللہ نے مخلوق کثیر کی حاجت روائی دے رکھی تھی، ہر قوم وملت کے نامعلوم تعداد میں حاجت مندانہ صورت میں آستانہ بوس ہوئے۔

ہمارے مرشد آپ کے علم وعمل کے سچے وارث حضرت احمدؒ میاں صاحب اپنے پدر معظم کے نقش قدم پر چلکر آپ کی مثل ہوئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سلسلہ اب تک اپنے باپ دادا کے قابل اقتدا رنگ میں قائم ہے۔

چنانچہ جو عظمت باوجود بے سامانی کے آپ کو حاصل ہوئی۔ جو غلبہ عام خاکساری میں ظاہر ہوا وہ چشم عقل میں خیرگی پیدا کرنے والا اثر رکھتا ہے۔

حسنت بہ اتفاق زمانہ جہاں گرفت　　بارے بہ اتفاق جہاں میتواں گرفت

بغرض خوف ورجا علم صفات حاصل کرنیکی کوشش میں انسانی کوتاہی اور قابلیت کا بیان

قبل اس کے کہ ہم علم صفات الٰہی پر بحث شروع کریں ہمکو یہ غور کرنا ہے کہ اس غرض کے حاصل کرنے کیلئے ہم میں کیا کوتاہی ہے اور اوس کا کیا علاج ہے۔

خدا وہ ہستی ہے کہ نہ تو اوسکو چشم ظاہر ہی دیکھ سکتی ہے، نہ نور باطن سے اوسکی ذات کی ماہیت کا تصور ہو سکتا ہے۔ تاہم آثار صفاتی کے آئینہ میں اوس کے وجود ذاتی کے علامات مختلف صورتوں میں جلوہ نما ہیں۔ اونکو دیکھکر عقل قبول کر لیتی ہے کہ انسانی طرز معاشرت کا پہیہ اوسی کی حکمت چلا رہی ہے۔ اوس کے علم صفاتی کا فیض اگر انسانی طریقہ کی کار روباری صورت

قائم رکھنے میں مددگار نہ رہے۔ تو انسان تنزل کرکے حیوانی زندگی بسر کرنے لگے۔

ہم اوسی وقت تک انسان ہیں جب تک کہ کوئی خوف یا طمع باہمی حقوق پر پابند رہنے کے خیال میں ہمکو قائم رکھے ہوئے ہو۔ جب اپنی غرض کے سوا دوسرے کے حق کا خیال ہم سب کے دل سے جاتا رہے تو باہمی تعاون کا سلسلہ منقطع ہوکر ہمکو انسانیت سے ہاتھ دہونا پڑیگا۔

باہمی تعاون سے انسان انسان ہے۔ اور یہ معاونت اوسیوقت تک ہے جب تک کہ حقوق کا خیال موجود ہے۔ خودغرض فیض انسانیت سے اور ونکی برکت نیت سے بہرہ یاب ہیں جسنے خدا کی ہستی کو سمجھکر اتنا خیال بہی قائم کرلیا اوس کے دلمیں دوسرے کے حق کی کچھ قدر باقی رہتی ہے۔ اوسکی خودغرضانہ نیت میں اصلاحی اثر کا وجود ہوتا ہے۔ جتنا انسان خودغرضی سے قریب تر ہے انسانیت سے دور ہے۔ جتنا حقوق کا خیال فرض مقدم سمجھتا ہے۔ اوتنا ہی انسانیت سے قریب تر ہے۔

بغیر خوف و رجا فساد نیت علاج پذیر ہے نہ استحقاقی خطرہ بغیر درستی نیت دفع ہوسکتا ہے۔ اس طرح پر علم صفات آلہیہ کا تعلق انسانی کمال سے قدرتی طور پر وابستہ ہے۔ گویا فیض انسانیت کی ہستی اس خیال کے وجود پر موقوف ہے۔

ہم میں فرد واحد بہی ایسا نہیں ہے۔ جو اپنے علم کی بنا پر آفرینش کو معہ جملہ حکمت آمیز خوبیوں کے کما حقہ سمجھنے کا دعوی کرسکے یا اگر کسی جاہل سے ایسی حرکت سرزد ہو تو اہل عقل اوس کے دعوی کی صداقت پر تائید کریں۔ یہ دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہم میں کوتاہی فہم ہے۔

خدا کے صفات کی معرفت میں اونکی تعداد اور تعریف دونوں شامل ہیں آفرینش صفات الٰہی کا فعل ہے۔ جو آفرینش کا جزو ہم سے قریب تر ہے ہم اوس کے کما حقہ سمجھنے کے قابل نہیں۔ قیاس قبول نہیں کرتا کہ ایسی فہم صفات آلہی کو تعداد اور تعریف کے ساتھ قابل اطمینان طریقہ پر تشخیص کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا مذہب ایک نہیں ہے۔

اس مجبورانہ حالت فہم پر ہمکو ایسی تشخیص اور تفہیم کی حاجت بھی اس طرح پر ہے. جس طرح قالب مردہ کو جان کی ضرورت ہوا کرتی ہے. اس مشکل کے حل کا چارہ کار بجز خدا کے دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے. ایسی ضرورت ہوتے ہوئے اس قسم کی کوتاہی طریقہ نبوت کی حاجت کو ثابت کرتی ہے. نبوت خدا کی جانب سے اس چارہ کاری کی مددگی ہے.

نبوت کے ذریعہ سے ہمکو ایسے اصول اور معلومات دستیاب ہو جاتے ہیں جن کا دریافت کرنا بسا دشوار ہے. اگر کچھ اوس میں سے سمجھ میں بھی آ جاتا. تو اطمینان صحت نہیں ہو سکتا. نبوت ایسے تمام معلومات اور اصول کی تشریح کرتی ہے. جنکو ہم عجز بشری کی کوتاہی کیوجہ سے نہیں سمجھ سکتے ہیں اور فیض انسانی کے کمال سے محروم رہتے ہیں.

گو یہ معلومات اپنی عقل کے اطمینان پر دریافت کرنے کے واسطے دشوار فہم ہیں اور بعض ایمان بالغیب سے متعلق ہیں. تاہم حسب قدر عمل ان کے مطابق زیادہ کیا جاتا ہے. عقیدہ صحت اصولی پر یقین بڑھتا جاتا ہے. یہاں تک کہ جان و مال کی نسبت مقابلتاً ہیچ اور ناچیز متصور ہو جایا کرتی ہے گویا تجربہ مذہبی صداقت سے متفق ہے. یہی تجربہ بڑے سے بڑے انسان کی تجویز کردہ اصول سے کبھی ایسا اتفاق نہیں کرتا. یہ اصول اور معلومات علم کلی کا ماخذ ہیں. جبکہ ہمارا علم جزوی اپنی کوتاہ بیں علمی عینک لگا کر ان کی طرف دیکھتا ہے تو اوسکا عجز مشکل ہو کر اوس کے سامنے آ جاتا ہے. اگر انہیں وسیع معلومات کا سرمہ لگا کر نظر کرے. تو عرش سے فرش تک کے حال کو قابل ادراک پا سکتا ہے.

جبکہ یہ سرمہ لگا کر انسان اس دائرۂ علمی میں قدم رکھتا ہے. تو اوسکی معلومات اور محسوسات بھی اس دائرہ میں جزوی صورت پر دکھلائی دیتی ہیں اور صداقت اصولی کے آثار اسی آفرینش اور خود اس کی حالت میں سچی مطابقت کے تجربہ کے ساتھ مشاہدہ میں آنا شروع ہو جاتے ہیں

کسی نا معلوم اصول کو جس کا تعلق آفرینش سے اوسکی کلی حیثیت پر ہو اول تو سمجھنا ہی دشوار ہے

اور اگر جیسے اندھے کے ہاتھ پیر آجاوے کچھ سمجھ میں آجاوے تو اطمینان صحت ہونا مشکل ہے۔ مگر جب تمام ضروری معلومات اس قسم کے معتبر ذریعہ سے بہم پہونچیں، تو مطابقت عملی کرکے اطمینان صحت اصولی کر لینا بہت آسان ہوجاتا ہے۔ انسانی عقل اس کے لئے کافی اور موزوں ہے یہی کام عقل اچھی طرح کرسکتی ہے اور اسکی تکلیف اس کے فرائض میں ہے۔

ہمنے اس قسم کی مذہبی معلومات کو عملی مطابقت کی صورت میں لاکر انسانی عقل اور تجربہ کے روبرو پیش کیا ہے۔ تاکہ علم صفات آلہی اور اونکی صداقت پر روشنی پڑسکے۔ اور مذہبی اصلیت ظاہر ہو اس طریقہ پر خوف ورجا کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور یہی ہمارے مقصد تصنیف کا خاص مدعا ہے۔

مذہبی معلومات کی عملی مطابقت سے خوف ورجا کی تعلیم

تعلیم کے دو طریقے ہیں۔ اول کتاب یا زبان کے ذریعہ سے اصولی واقفیت پیدا کرنا دوسرے عملی تجربات اور مشاہدات سے یقین پیدا کرنا۔

کتابی طریقہ پر خوف ورجا کی تعلیم

چونکہ اس تعلیم کے واسطے نبوت کی امداد کو کار آمد سمجھ لیا گیا ہے۔ لہذا اس دشوار فہم مسئلہ میں نبوت کی امداد میں دو فائدے متصور ہیں۔ اول تو اپنی سمجھ سے اصول قائم کرنیکی زحمت کا بار خود اپنے اوپر نہ پڑے گا۔ دوسرے جب نبوت کی تعلیم کا مرد نقع ذہن نشین ہوجاویگا تو عقل پر اوسکی صداقت کی حقیقت خود بخود منکشف ہوسکتی ہے۔

نبوت :۔ تعداد صفات آلہی ۹۸ ہے ہر صفت کا مفہوم ایک نام سے ادا کیا گیا ہے ان کے علاوہ ایک اسم ذات ہے کل ۹۹ اسما ہیں۔

تجربہ :۔ موصوف کو اختیار ہے کہ اظہار صفات جب چاہے کرے، مگر جب اظہار منظور ہوگا۔

مناسب اہتمام ضرور ہوگا۔

آفرینش صفات الٰہی کا فعل ہے۔ اسلئے صفات الٰہی کا اظہار آفرینش سے ہوتا ہے

چونکہ ایسے خالق کے فعل میں جو کہ بہمہ صفت کمال متصف ہے۔ نقص کو دخل نہیں ہے۔ لہٰذا

ذیل کے دو امور جو کہ اظہار صفات کی تکمیل کی غرض سے لوازمات آفرینش میں ہونا ضروری ہیں

اول ذات سے خارج ہیں۔ ایسی مخلوق ہونا جسمیں فہم صفات کا مادہ ہو۔ دوسرے ایسا

مقام ہونا جہاں کہ ایسی مخلوق کے لئے فہم صفات کے جملہ اسباب جمع ہوں۔

خدا کے صفات اور اوس کے فعل کی سمجھ جب ممکن ہے۔ جبکہ وہ صفات اور اون کے فعل

کی فہم خود اوس مخلوق میں بھی ہو۔ یہ جب ہوسکتا ہے کہ جملہ صفات الٰہیہ کا شائبہ بھی اس مخلوق

میں پایا جاوے۔ اور قدرت عمل بھی کسی پیمانہ پر ہو تا کہ اوس کی ذات ہر دو مفہوم کے گنجائش

فہم کے واسطے موزوں متصور ہوسکے (دیکھو شناخت کا قاعدہ اصطلاحات میں)

اس قاعدہ کے مطابق جملہ صفات الٰہیہ مذکورہ بالا کا شائبہ اور فعل آفرینش کی کلی

فہم ہو، تب یہ فیصلہ ہوسکتا ہے۔ کہ یہ مخلوق اظہار صفات کی غرض سے پیدا ہوئی ہے اسمیں شک

نہیں کہ بغیر امداد نبوت ایسا تعین کہ کس مخلوق میں یہ صفات ہیں دشوار کام ہے۔ مگر نبوت اسکو آسان

کردیتی ہے

حدیث شریف:۔ اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا (ان اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورتہ)

پہلے حدیث شریف کا مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بموجب کلام پاک اللہ جسم اور صورت سے مبرا ہے۔

مگر اس حدیث شریف سے انسان کا خدا کی صورت پر مخلوق ہونا پایا جاتا ہے۔ مگر جب کہ خدا جسم سے

مبرا ہے۔ اور وہم وخیال کے تصور میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں صورت سے دوسری

صورت مراد ہے۔ اور وہ مراد خدا کے صفات اور اوسکے فعل کی صورت ہے جو کہ ذات کے کمالات کا

آئینہ میں۔ چونکہ انسان اس صورت پر واقع ہے۔ لہذا شبہ کو گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ دوسرے بیان کا یہ طریقہ تعلیمی خوبی کے اعتبار پر فطرت انسانی کیلئے بہت موزوں ہے۔

انسان ابتدا ہی سے چیزوں کو اون کی صورت کے ذریعہ سے شناخت کا عادی ہوتا ہے۔ اسلئے اپنی عادت کے مطابق خدا کی شناخت میں بھی یہ خیال اوسکے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ اوسکی عادت پر اوسکو تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اگر خدا کی شناخت صورت کے ذریعہ سے منظور ہے تو انسانی صفات اور افعال پر غور کرو۔ اس طریقہ پر خدا کی صفات اور افعال کا تصور پیدا ہو جاویگا۔ یہی وہ صفات ہیں جن کے ہوتے ہوئے اظہار صفات کا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ گویا اپنے ہی افعال اور صفات اس مقصد برآری کا ذریعہ ہیں۔

حدیث شریف ۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

جس نے اپنے نفس کو شناخت کر لیا ۔ اوس نے خدا کو پہچان لیا۔

حدیث شریف سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی اگر خدا کی معرفت حاصل کرنے کا خیال ہے تو اپنی ہی معرفت حاصل کر لو۔ پس خدا کو پہچان لوگے۔ اس طریقہ پر دونوں حدیث شریفوں کا مضمون ایک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ نبوت سے امداد لیکر بہت سے نتائج مفیدہ حاصل ہو گئے اور دشوار فہمی کا بڑا حصہ آسان ہو گیا ذیل میں وہ نتائج درج ہیں۔ جو امداد نبوت سے برآمد ہوئے ہیں۔

(۱) دنیا میں اظہار صفات آلہیہ کا کمال موجود ہے۔

(۲) انسان وہ مخلوق ہے جو کہ خارج از ذات ہے اور اوسمیں جملہ صفات آلہیہ اور اون کے فعل کی معرفت کی قابلیت پائی جاتی ہے۔

(۳) دنیا جہاں کہ انسان رہتا ہے وہ مقام ہے جسمیں اظہار صفات کے جملہ اسباب جمع ہیں۔

(۴) خود ہمارے ہی صفات اور افعال کی معرفت سے اللہ پاک کے صفات اور اون کے فعل کی معرفت

ہوسکتا ہے۔

اپنی شناخت کی ایسی کوشش جو سبب معرفت صفات الٰہیہ ہوسکے

دنیا میں تو ہم اپنے کو مادی حیوانی مخلوق کی صورت میں پاتے ہیں۔ مگر صفات میں ایسا فرق ہے کہ نوع حیوانی اور انسانی جدا جدا تصور ہوتی ہیں۔ جملہ حیوانات میں حیوانیت کی عام تعریف صادق آتی ہے۔ مگر جب انسان کی نوبت آتی ہے تو بجائے حیوانیت کے انسانیت کے لفظ کا استعمال ہوتا ہے

صفات انسانی میں ایسی تفریق جسنے انسان کو نوع حیوانی سے ایسا جدا کر دیا کہ ایک نوع ہوتے ہوئے گروہ نوعی سے جدا تصور ہونے لگا۔ کسی خاص سبب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سبب کا معلوم کرنا بھی دشوار فہم مرحلہ ہے۔ جسکی عقدہ کشائی میں بھی نبوت کی امداد کی ضرورت ہے

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

نبوت۔ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے پھر جب تیار کیا میں نے اوسکو اور پھونکی اوسمیں روح اپنی روح سے۔

اس آیت شریف میں دو روحوں کا ہونا انسان میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک تو وہ روح ہے جو کہ مٹی کا پتلا ہونے کے بعد سویتہ (جب تیار کیا میں نے اوسکو) کے لفظ سے اوس کا اعتدال مزاج ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ خاک کے پتلے کا کامل روح حیوانی کی صورت میں آجانا ثابت ہو جاوے۔ اور اس صورت تک انداز بیان سے خالق کا صرف نسبت خالقیت ظاہر کرنا پایا جاتا ہے۔ مگر جب نفخت فیہ من روحی (پھونکی اوسمیں روح اپنی روح سے) فرمایا ہے تو نسبت خصوصیت کا اظہار کیا ہے یہ دوسری روح کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اس کے بعد وہ صورت حیوانی کامل جامۂ انسانیت میں آئی۔ اس طرح پر نوع انسانی اور حیوانی جدا ہونے کا سبب بھی ظاہر ہوتا ہے اور روح انسانی کی نسبت خصوصیت

بھی معلوم ہوتی ہے۔ صورت انسانی میں جو کرشمہ ہیں۔ وہ اسی روح کی وجہ سے ہیں جسم حیوانیت پہ یہ پاکیزہ لباس موزوں نہیں سمجھا گیا۔ حیوانیت میں یہ جوہر نہیں ہے تو اوسمیں محض نفس کی گرفتاری کی صفت ہے، مگر قابلیت دریافت حقیقت معاملات نہیں ہے ہزارہا مخلوق حیوانی ہے اور یہ صفات سب میں عام ہیں۔

انسان اس جوہر کی بدولت حقیقت آشنا ہے۔ اس صفت نے انسان کو انسان بنایا ہے۔ انسان نے باہمی امداد کی حقیقت کو سمجھا۔ پھر دنیا کے مفید مطلب اشیاء کے خواص کو پہچانا۔ ایک دوسرے کی مدد سے تمام دنیا کی اشیاء سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی ایجاد کرکے بہت سے پیشوں کی بنیاد ڈالی حقوق کا تعین کیا۔ پابندی قواعد استحقاقی کے نفع کو سمجھا جب نزاع پیدا ہوا اور امن میں خلل ہوا تو رفع شر کی تحقیقات میں یہاں تک سرگرم ہوا کہ خدا تک رسائی کی نوبت پہنچی۔

جبکہ خدا تک رسائی ہوئی تو ثابت ہو گیا کہ روح انسانی میں خدا شناسی کا مادہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے نسبت خصوصیت کا اظہار اس روح کی بابت کیا ہے۔ اب حیوانیت اور انسانیت جدا جدا سمجھ میں آگئی۔ وہ یہ کہ حیوانیت خواہش پرستی اور انسانیت خدا پرستی ہے۔

انسانی مادہ خدا شناسی نے جب انسان کو رفع شر باہمی کے اسباب کی طرف متوجہ کیا تو اخلاق انسانی کے اصول کی بنا پڑی۔ ورنہ انسانیت کا ماحصل فساد اور خوں ریزی نظر آنے لگا۔ سچا اخلاق درستی نیت کا ظاہر و پوشیدہ متقاضی ہے۔ نیت خواہش کی پابند ہے، ضرورت ہوئی کہ خوف و رجا کے ذریعے سے خواہش کا عمل بحالت نیت درست کیا جاوے۔ تب اخلاقی صداقت کے فائدہ عام سے امن قائم ہو سکتا ہے اب دو ضرورتیں پیش ہوئیں ایک تو اصول اخلاقی کا صحیح تعین۔ دوسرے خوف و رجا سے اول اصول پر کاربند رہنے کا علاج۔ ورنہ انسانی زندگی میں خیر کی توقع کی خیریت ہی خیریت دکھلائی پڑنے لگی۔ اللہ کا خوف و رجا خدا شناسی پر موقوف ہے۔ انسانی خوف سے درستی نیت

ہو نہیں سکتی۔

خدا شناسی بھی زبانی ڈھکوسلہ کی صورت میں کارآمد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لئے بھی یقین کی حاجت ہے اور یقین کے لئے قرین قیاس دلائل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ یہ وہ امور تھے کہ عقل انسانی کیلئے قابل اطمینان طریقہ پر انسے فائدہ حاصل کرنا دشوار کام تھا مگر خالق کونین نے اپنے فضل عمیم سے اس دشواری کو اپنے ہی قانون اور اپنی ہی تعلیم سے آسان کر دیا۔ صرف انسان کو یہی کام باقی رہ گیا ہے۔ کہ اپنے صفات اور افعالی صورت میں صفات آئینہ سے مقابلہ کرلے۔ اس کے بعد صداقت خود دلمیں جگہ کر لیتی ہے۔

ہمکو اپنی اس ضرورت کے لئے جملہ آفرینش کی اقسام مخلوقات کو معلوم کرنے اور اونکی بابت اس قدر علم کی حاجت ہے۔ کہ ہم اون کے فعل کو سمجھ سکیں۔ تب عملی مطابقت سے یقینی اطمینان ہو سکتا ہے۔

چنانچہ بہ امداد نبوت ہمکو چار قسم کی مخلوق ذی فہم کا پتہ دریافت ہوا اور اون کی بابت ضروری معلومات بھی دریافت ہوئیں۔ اب ہمکو یہی کرنا ہے کہ اپنی ہی معرفت سے ان کی معرفت کر کے خدا کے فعل کی حقیقت کو سمجھیں۔ چنانچہ فرداً فرداً ان سب کا بیان ضروری ہے۔

حیوانات

حیوانات مادی مخلوق ہے ہم اون کو چشم ظاہر سے دیکھکر اون کے خواص معلوم کر سکتے ہیں۔ ان میں جذبات اور خواہشات کا وجود ہے۔ مگر ان کی فہم استحقاقی اور اخلاقی حالت کی حقیقت آشنا نہیں ہے لہذا اون کا مقصود حیات نفس پرستی ہوا کرتی ہے۔

خطرہ سے محفوظ رہنے اور خورش بہم پہونچانے کی سمجھ اونمیں کافی ہے۔ بعض صورتوں میں عادات

جاریہ کے طور پر وہ کسی برائی سے بھی اجتناب کیا کرتے ہیں۔ خورش اور طبیعت کے اعتبار پر اون کے اقسام بہت سے ہیں بعض کی خورش سبزی اور بعض کی گوشت ہوتی ہے اونمیں حریص طامع غصہ ور اور بزدل ہوتے ہیں۔ ہر نوع حیوان کی خورش اور طبیعت ایک رنگ پر ہوتی ہے۔ نوعی، مزاجی خصوصیت سب میں پائی جاتی ہے۔

انسان اور حیوانات

حیوانی مادی خلقت کے اعتبار پر انسان بھی حیوانات میں داخل ہے۔ دونوں کے جسم گوشت پوست سے بنے ہیں۔ خواب و خور کے پابند ہیں۔ طریقہ پیدائیش اور اموات یکساں ہے، خواہشات اور جذبات انسانوں میں بھی حیوانات کے مثل کورانہ صورت پر ہیں۔ خصائل اور خورش حیوانات میں قسم وار جداگانہ ہے۔ مگر انسان میں ایک ایک نوع حیوانات کی خورش اور خصائل کا مجموعہ ہے۔ انسان جس طرف رغبت طبعی رکھتا ہے۔ اپنی کسی قابلیت سے اوسی کے مناسب حال غذا اور خصلت بہم پہونچاتا ہے۔ اسکی فطرت میں ہر حیوان کا مزاجی رنگ ہے یہ جس روش کو پسند کرے اختیار کر سکتا ہے اس طرح پر مختلف مزاج حیوانی انسان میں سب یکجا ہوا کرتی ہیں۔ مگر ہر صورت میں انسانی خصوصیت بھی قائم رہتی ہے۔

حیوانات کے دانتوں اور معدہ میں اون کی غذا کے مناسب حال رعایت ہوتی ہے مگر انسان کے معدہ اور دانتوں میں ہر قسم کی غذا کھانے اور اوس کے ہضم کی قوت ہوتی ہے۔

جن کو اسباب شر دفع کرنے کے خیال سے غصہ اور جوانمردی قائم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے بدنظمی سے محفوظ رہنا بزدلی کے ضرر سے بچنا مقصود ہوتا ہے۔ حرارت اور جودت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کاہلی اور بھبے پن کو پسند نہیں کرتے وہ گوشت کھاتے ہیں۔

جنکو ایک جگہ پیر توڑ کر بیٹھنا ہے ، میٹھے پن سے کام نکالنا ہے، تیزی اور چستی کی حاجت نہیں ہے وہ سبزی اور دال کھاتے ہیں ، یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فطرت نے کسی مصلحتی بنا پہ انسانی خلقت میں جامعیت اوصاف اور خواص کو ملحوظ رکھا ہے۔

چونکہ حیوانات میں استحقاقی اور اخلاقی اصول کی پابندی نہیں ہے۔ خواہش پرستی کے وقت سب کچھ جائز سمجھتے ہیں لہذا انہیں کے اصول پہ چلتے ہوئے انسان کو بھی حق حاصل ہوجاتا ہے کہ اپنے حسب خواہش انکو ہر مصرف میں لاوے ۔ جانور میں صرف اتنی عقل ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو قائم رکھہ سکتا ہے انسان اپنی عقل اور قوت سے جانور کو مسخر کرسکتا ہے۔ اور جانور انسانی مصرف کے لئے موزوں بھی ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر جانور کا مصرف انسانی ہونا قدرتی طور پہ پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ حیوانات ہمیشہ سے ہر قسم کے ہر مصرف میں آتے رہے ہیں ، ورنہ کسی انسان کو حق نہ ہوتا کہ وہ کسی حیوان کو کسی مصرف میں لانے کا مستحق ہوتا۔

شیطان کا بیان

شیطانی مخلوق نگاہ سے پوشیدہ ہے ہر شخص اونکو مثل حیوانات کے دیکھ نہیں سکتا ہے اون کو علامات کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے ۔ جیسے ہوا کہ نگاہ سے پوشیدہ ہے ، علامات سے معلوم ہوتی ہے یہ جنات کے قسم سے ہوتے ہیں کہ جو انسان کو راہِ خدا سے گمراہ کرنے کا پیشہ رکھتے ہیں ۔ یہ بھی مادی مخلوق ہے ۔ان کی خلقت آتشی ہے ، یہ اپنی فطری قوت سے انسانی جسم میں خون کی طرح گشت لگا سکتے ہیں ۔ اور وسوسات فاسدہ قلب میں پہونچاتے ہیں ۔ جنات میں عبدیت کی اہلیت ہے اسلیئے انہیں معرفت الٰہی اور حقیقت شناسی کی فہم ہوتی ہے ۔بہت سے ان میں اصول اسلامی کے پابند ہوتے ہیں ۔ مذہب اسلامی رکھتے ہیں۔

چونکہ مادی خلقت رکھتے ہیں، اس لئے ان میں نفسانیت بھی ہوتی ہے۔ عبدیت کا اہل ہونے کی وجہ سے حیوانی عقل سے امتیاز فہم رکھتے ہیں۔

شیطانی وسوسات شر کی طرف مائل کرتے ہیں۔ مکر وحیلہ گری کی تعلیم دیتے ہیں۔ اخلاق کے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں۔ خواہش نفس کی کامیابی اور ناکامی ان کا سود وزیاں ہے۔

حیوانیت کے فہم کی انتہا کورانہ نفس پرستی تک ہے۔ انسان اپنے نفس میں اخلاقی اور استحقاقی بحث کا وجود شر کی جانب راغب کرنے میں پاتا ہے۔ چونکہ یہ معاملہ حد حیوانی کے پیمانہ فہم سے بالاتر ہے۔ اسلئے شیطانی ثابت ہوتا ہے

تجربہ سے ثابت ہے کہ دل میں خطرات فاسدہ خودبخود اس طرح آجاتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی باہر سے کچھ ڈال دے۔ جب ان خطرات سے انسان روگردانی کرتا ہے تو دل ہی دل میں مسلسل اخلاقی اور استحقاقی بحث کا آغاز ہو جاتا ہے

ایک طرف دلائل عقلی سے حق اور اخلاق کی تائید ہوتی ہے دوسری جانب سے بھی دانشمندانہ فراست سے مکر وحیلہ گری کی اختراع کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔ یہ جواب کمزور طبیعت والوں کو راہ راست سے باز رہنے کا حیلہ ہو جاتا ہے۔ فہم حیوانی کو ایسی دانشمندانہ بحث کی قابلیت نہیں ہے۔

جو لوگ اپنے افعال میں شیطانوں سے مشابہت خاص پیدا کر لیتے ہیں وہ ادن کو دیکھنا بھی بیان کرتے ہیں۔ ادن کے کرشمہ جادو کی صورت تماشا گاہوں کے خوق العادت امور اور آسیب زدہ کی حالت میں خاص طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ادن کی خصوصیات مزاج گندگی ایذارسانی اور دنیا پرستی ہیں۔

روحانیات

ملائکہ کی خلقت اوسی جوہر لطیف سے ہے۔ جوکہ روح انسانی کا خمیر طینت ہے یہ نورانی جوہر لطیف ہے۔ کثافت مادی سے مبرا ہے۔ چونکہ نفس محض مخلوق مادی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے فرشتے نفسانیت سے پاک ہوتے ہیں۔ جو کچھ خدا اونکو حکم دیتا ہے کرتے ہیں اون کی لطافت مزاج بوجھل غذا کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کا ذکر اور اوسکے احکام تعمیلی کی فکر اونکی غذا اور اونکی مسرت کے باعث ہیں۔

جس طرح کوئی انسان سخت مشاغل دنیوی کے مواقع پر جبکہ اوسکی ہمت خیالی ایک ہی جانب مصروف کار ہو آب وخور فراموش کر دیتا ہے اوسی کام کی فکر اور اوسکا ذکر اوسکی غذا ہو جاتا ہے یہ مخلوق اسی طریقہ سے ہمہ تن اللہ کے ذکر و فکر میں دوامی مشغولیت رکھتی ہے۔ ان کا پاکیزہ مزاج اپنی غذا کے لئے لطف و نور کا متلاشی رہتا ہے۔ یہ صفات آلہیہ ہیں اور اوسی کے خزانہ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لہذا اونکی مسرت عمل کا ذریعہ اللہ ہی کا ذکر و فکر ہے۔

خود پاکیزہ طینت اوسکے ساتھ ایسی سبک اور لطیف غذا سہل الوصول اس قدر کہ محض خیال سے فراہم ہو سکے۔ پھر نہ کمی کی گنجائش نہ انکار کا دخل اس لطافت کے کمال اور تجرد خاص میں بجز خدا سے تعلق کا ان میں مادہ کیونکر ہو سکتا ہے

انسان باوجود کثافت مادی کے جب کسی خیال میں محو ہو جاتا ہے تو مطلوب ہی کے ذکر و فکر میں راحت اوسکی غذا ہو جاتی ہے۔ بھوک پیاس کا خیال ہی نہیں آتا ہے۔ البتہ اون کے مختلف کیفیت مطالبات طبعی اور کثافت مادی راحت دوامی میں مانع ہوتے ہیں

جبکہ شیطان کی طرف سے استحقاقی اور اخلاقی مواقع پر انسان کو گمراہ کرنیکی کوشش ہوتی

ہے۔ اور شیطان زینت دنیا کو آراستہ صورت میں پیش کرکے حیوانیت کو برانگیختہ کرتا ہے۔ تو روح انسانی بھی خوف ورجا کے پیرایہ میں انسان کو ضلالت سے بچانے کی کوشش کرتی ہے جنسیت اور موافقت عملی کی وجہ سے جو دلائل شیطانی اغوا کے خلاف دل میں گذرتے ہیں اونہیں فرشتوں کی امداد بھی کبھی شامل ہوتی ہے۔

ایسے لوگ جو پاکبازانہ روحانی زندگی بسر کرتے ہوئے ملائکہ سے علمی مشابہت پیدا کرلیتے ہیں ملائکہ کو دیکھنا بیان کرتے ہیں۔ علم تصوف کا تعلق روحانیات سے ہے۔ کرامات کا ظہور ہر قسم کے فائدہ رسانی میں فیض روحانی کی بدولت ہوتا ہے۔ روحانی خصوصیات لطائف طبع۔ نفع رسانی عام حق پرستی ہے۔ جو کچھ جادو یا آسیب یا اور کسی صورت میں شیطان کا عمل ہوتا ہے اوس کا مزہ روحانی عمل سے باطل ہوجاتا ہے۔

انسانیت

مخلوقات ذی فہم میں مادی اور نورانی مخلوق دونوں کا بیان ہوچکا۔ صرف انسان کا بیان باقی ہے۔ انسان ہر دو اقسام مخلوق کا مجموعہ ہے۔ اسکی خلقت میں جامعیت ہر طرح کی ہے۔ ہر قسم کے حیوانات کے مختلف خصائل اسمیں ہونا بیان کردیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ دیگر مخلوقات شیطانی اور نورانی کے جملہ خواص کا جامع ہے۔

یہ مادی ہے۔ اسلئے جملہ مادی خلقت کی کیفیت اپنی مادی حالت پر قیاس کرکے سمجھ سکتا ہے اللہ پاک نے روح نورانی کا تعلق بھی اسکی ذات سے رکھا ہے اسلئے روحانیات کے فہم کا بھی اہل ہے۔

کاروباری صورت میں انسان اپنے ابنائے جنس میں اخلاقی اور استحقاقی مواقع پر حقوق

کا خیال نہ رکھنا عیب تصور کرتا ہے۔

مگر چونکہ عالم حیوانی میں نہ استحقاق فہم ہے۔ نہ اخلاقی قابلیت لہذا حیوانات ایسے جملہ عیوب کے مرتکب ہوتے ہیں جنکو انسان برا تصور کرکے اجتناب کرتا ہے۔

انسان اور حیوان مادی خلقت ہیں۔ ایک طرف دیکھا جائے، تو جملہ کثیر التعداد مادی مخلوق عیب وہنر کی ماہیت سے ناواقف ہے۔ مگر انسان کی بابت آؤ تو یہی مادی خلقت عیب وہنر میں تفریق کرتے ہوئے معلوم ہوتی ہے۔

مادی مخلوق ہوکر عیب کی نوعیت نہ سمجھنا تو انسان کی نوعی مزاج کے موافق تھا۔ مگر عیب وہنر میں امتیاز کرنا ظاہر کرتا ہے کہ کوئی خاص جوہر اسکو نوع حیوانی سے جدا کررہا ہے۔

انسان اور حیوان میں مادی اعتبار پر کچھ کمی بیشی نہیں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جوہر جو باعث خواص انسانیت ہے۔ مادی نہیں ہے اور جملہ صفات اضافی متعلقہ انسانیت کا وہی جوہر کفیل ہے۔ اخلاق اور استحقاق کا مادہ اوسی جوہر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جبکہ اوس جوہر کا مادی ہونا نہیں پایا جاتا ہے۔ تو نورانی اور مجرد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حیوانیت کا حصہ جو انسانیت میں شامل ہے۔ اپنی جبلت پر عیوب کی کفالت کرتا ہے۔ روحانی پاکیزہ جوہر اخلاقی صورت اور استحقاقی حالت کی حمایت کرتا ہے۔ ہنر سے عیب کی اور عیب سے ہنر کی تمیز ہوتی ہے۔ اس اجماع نے عیب وہنر باہم جمع کردیئے۔ اور دونوں کی تعریفات پر آگاہ کردیا خوبی سے نقص کی برائی اور نقص سے خوبی کی اچھائی کی شناخت ہوگئی۔ انسان عیب وہنر کا مجموعہ بن گیا۔

گو انسان اوصاف کمال رکھتا ہے۔ مگر عیب دار بھی ہے۔ اسکی خوبی کے ساتھ عیب لگا ہوا ہے۔ اسلئے آدمی کے صفات کمال میں عجز ونقص کو دخل ہوگیا۔ ہاں اس قابل ضرور ہوگیا کہ کمال

کو کمال اور عیب کو عیب سمجھے۔

ہم روح انسانی کا حال کلام پاک سے بیان کرچکے ہیں۔ اور اوسکی خصوصیت رب العزت سے ظاہر ہوچکی ہے، اب اپنے ہی آثار ذاتی سے اوسکی صداقت پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے اسلئے جو کچھ بطور ایمان بالغیب ہم نے روح انسانی کی خصوصیت میں باور کیا تھا وہ تجربہ میں آکر یقین کے ساتھ ذہن نشین ہوجاتا ہے۔

جبکہ ہم نے آثار سے خود اپنی ہی ذات میں ایسا جوہر لطیف معلوم کرلیا جو کہ صفات خوب کا متکفل ہے مگر کمال لطافت کی وجہ سے نگاہ سے پوشیدہ ہے تو وجود ملائکہ کی بابت کچھ شبہ کو دخل نہ رہا کیونکہ وہ بھی اسی جوہر سے مخلوق ہیں اور ایسے ہی اوصاف کمال رکھتے ہیں۔

یہ نبوت کا صدقہ ہے کہ ایسی پوشیدہ اپنی ہی روح کا پتہ اور اوس کے اوصاف معلوم ہوگئے کہ ہمکو اپنی ہی ذات میں علامات سے عالم ملکوتی کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہا۔ حیوانیت عیب و ہنر کی حقیقت آشنا نہیں۔ تاہم اخلاقی اور استحقاقی مواقع پر فاسد خطرات ہمارے دل میں نامعلوم ذریعہ سے آتے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہماری روحانی خلقت ان خطرات کے اثر کو قبول نہیں کرتی دلائل عقلی سے تائیدی تقویت دیا جانا خود اپنے ہی نفس میں محسوس ہوتا ہے جبکہ روح انسانی ان خطرات کو قبول کرنیکو تیار نہیں، ہماری حیوانیت کے فہم میں یہانتک رسائی نہیں تو ثابت ہوجاتا ہے کہ یہی شیطانی اغوا کی حقیقت ہے۔ جسکو تعلیم نبوت سے ہم نے معلوم کیا ہے۔

جب ہم کسی انسان کے زبانی کہنے پر یقین کرلیتے ہیں۔ کہ ریل دخانی قوت سے چلتی ہے۔ تو جبکہ شیطان پرست اوسکو دیکھنا بیان کریں۔ اوسکے کرشمہ جادو کی صورت اور آسیب زدہ کی حالت میں عیاں ہوں۔ عام تماشا گاہوں میں اوسکے ذریعہ سے دنیوی نفع حاصل کیا جائے۔ نبوت سے اسکی تصدیق ہو۔ اسکے بعد شیطانی وجود اور اوسکی مزاجی کیفیت کی بابت مزید ثبوت کی حاجت نہیں رہتی ہے۔

شیطانی خمیر طینت بھی انسان کے اجزاء ترکیبی میں ہے۔ اسلئے اسکے مزاج کی اصل بھی انسان میں موجود ہے اور انسانی جامعیت کی متکفل ہے۔

اب ہم نے اپنی ذات میں اپنے ہی تجربہ سے اپنے متضاد عنصر ترکیبی کا وجود اور اون کے مزاجی خواص کی معرفت حاصل کرلی۔ اور اپنی جامعیت سمجھ لی جاوے۔ مخلوق میں محض دنیوی تعلق کے خواص ہیں۔ دنیا میں خواہش پرستی اون کا مطمح نظر ہے۔ روحانیات میں تجرد کی صفت ہے۔ اونکا واسطہ محض خدا اور اوسکے حکم سے ہوتا ہے۔

سوال:۔ جو لوگ بہتر سے بہتر روحانی زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی تعلق دنیوی میں مبتلا ہیں کیسے یقین کیا جاوے کہ روحانی زندگی دنیوی تعلق سے مبرا ہے۔

جواب:۔ روح انسانی کو دنیا میں جسم مادی کی ہمراہی میں کام کرنا ہوتا ہے۔ اور جسم مادی کی بقا بغیر کھائے پیئے نہیں ہوسکتی ہے۔ اسلئے جس طرح کسی جانور کا مالک اوسکو دانہ چارہ مہیا کرتا ہے تاکہ جو غرض جانور سے متعلق ہے پوری ہوسکے۔ اسی طرح روحانی زندگی بسر کرنیوالا دنیا کا کام اپنی فہم کا جزو تصور کرکے کرتا ہے۔ تاکہ زاد آخرت کی غرض حاصل ہو۔ دنیا کے کام سے کچھ تعلق نہیں ہوتا بلکہ خدا کے اون احکام کا واسطہ ہوتا ہے۔ جنکی تعمیل اوس پر حیات دنیا میں واجب ہے۔ اس طور پر ایسے شخص کا تعلق بھی تجرد ہی میں داخل ہوتا ہے۔

اس طرح پر انسانی زندگی دو طریق پر ہوتی ہے۔ ایک تو محض تعلقاتی جسمیں حیوانیت اور شیطنت کو دخل ہوتا ہے۔ دوسری روحانی جسمیں تجرد محض اور ملائکہ کے نفوس قدسیہ کی برکت کا واسطہ ہوتا ہے۔ اگر کچھ بھی انسانیت سے واسطہ رکھنا ہے تو دونوں قسم کے اشخاص سے واسطہ کرکے دیکھے تو دونوں زندگیوں کا فرق بہت جلد معلوم ہوسکتا ہے

اگر انسانی خلقت سے حیوانی زندگی مقصود ہوتی تو انسان بنانا ہی بیکار تھا۔ انسان کو

تو اخلاقی پابندی کی وجہ سے ہمیشہ دوسروں کی خاطر تکلیف برداشت کرنیکی ضرورت ہے، ہر حال میں اوسکو اصول تجرد کام میں لانیکی حاجت ہے۔ اسکی حالت کا اقتضا تجرد کی زندگی کو چاہتا ہے تجرد کی زندگی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ سب کا حال یکساں اور بے ضرر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں انسان کی غرض تعلقات زندگی میں آخرت کا نفع ہوتا ہے یہاں کے معاملات سے ایسے شخص کو کچھ تعلق نہیں ہوتا یہاں کی غربت امارت رنج وراحت سے کچھ واسطہ کی ضرورت نہیں فقط آخرت سے غرض ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں بتیسر ہے۔

دوسرا نفع روحانی زندگی کا یہ ہے کہ جب تعلق میں کمی ہوئی تو تجرد میں ترقی ہوتی ہے۔ روح انسانی کی قوت ترقی کرتی ہے اور اوسکی کیفیات کا ظہور ہوتا ہے۔ جتنا تعلق دنیوی میں کمی ہوگی اوسی نسبت سے روحانیات کا انکشاف زیادہ ہوگا۔ اوس وقت اپنی ہی حالت پر قیاس کرکے عالم ملکوت کے معاملات کو روح انسانی اس طرح پر سمجھ سکتی ہے جیسے عالم مادی کا انکشاف دنیوی تعلقات سے ہوتا ہے۔ ایسے لوگ مردوں کے ارواح اور ملائکہ سے ملاقی ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ اس طریقۂ خلقت کی وجہ سے انسان دونوں عالم کے معاملات کی فہم رکھتا ہے جس نے جامعیت کی نظر سے اپنی ہستی کو معلوم کرلیا وہ تمام صفات الٰہی کو جو کہ صورت آفرینش میں جلوہ نما ہیں سمجھ سکتا ہے۔ ہاں چشم بصیرت اور دین کی عقل درکار ہے۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں

آئینہ دل چوں شود صافی وپاک   نقشہا بینی برون از آب وخاک

پنج حسے ہست جز این پنج حس   آں چوں زر سرخ ایں حس ہا چو مس

چونکہ ملائکہ اور روح انسانی ہمجنس ہیں لہذا دونوں کی تسکین اللہ کے نور ولطف سے ہوتی ہے ملائکہ تو اسی غذا کے عادی ہوتے ہیں مگر انسان جب اپنے حیوانی جذبات اور خواہشات کو زیر کرتا ہے تب تجرد کی زندگی کا فائدہ اٹھا سکتا ہے

جبتک ایک تعلق موجود ہو دلمیں دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی جبتک عشق کی چوٹ دل سے نہ لگے لگا ہوا تعلق دل سے چھوٹ ہی نہیں سکتا ہے۔ لہذا روح انسانی میں اللہ کی طلب عجب عجب آمیز جذبات اور شوق آمیز طلب کے ساتھ ہوتی ہے چونکہ محبوب حقیقی میں حسن و خوبی کا کمال ہونا ہے اس لئے طالب میں بھی جذب و درد بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ یہ مزہ دنیا اور ما فیہا کو بھلا دیتا ہے

مے کشی کا مزہ تو کیا جانے ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں

مختلف اور متضاد مادہ جات کا اثر انسانی حالت پر

جب دو اجزا یا نسل یا دو سے زیادہ کی آمیزش ہوتی ہے تو جو نتیجہ اس طریقہ پر برآمد ہوتا ہے اوسمیں جملہ اجزائے ترکیبی کے آثار اور اثر علیحدہ محسوس ہوتے ہیں۔ اور مرکب صورت میں کیفیت مزاجی کا رنگ نئی حالت میں جدا نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان میں جب وہ جملہ اجزا جمع کردیئے گئے۔ جو تمام مخلوقات کا خمیر طینت ہیں۔ تو انسان کی مرکب صورت میں حقیقت شناسی کے خاص رنگ کا اضافہ ہوگیا۔ ہر شے کی حقیقت تو اس کی خلقت میں موجود ہی تھی اب حقیقت شناس بھی ہوگیا۔ لہذا اپنے ہی علم ذات سے انسان سب کچھ سمجھنے کے قابل ہوگیا۔

جب حقائق فہمی کا روشن چراغ جسم مادی کے تاریک محل سرا میں پہونچا۔ تو اس گھر کے جملہ ارکین کو اس روشنی میں تمام دنیا کے چھپے ہوئے خزانہ نظر آنے لگے۔ اپنی قوت تصرف کو دیکھا تو اسکے مقابلہ میں تمام دنیا مائدہ چیدہ کی حیثیت پر نظر آئی۔ جسمیں ہر مادہ کیلئے طرح طرح کا سامان مہیا تھا سب نے اپنے اپنے مرغوبات کی طرف دست طمع دراز کیا۔ کیونکہ ایک مادہ دوسرے کی ضد تھا اور ایک ہی کلمہ نکل سکتا تھا لہذا خانہ جنگی پھیل گئی۔

حیوانی فطرت محض دوسرے کا آلۂ مصرف ہونیکا کام دینے کے لئے موزوں ہے۔ لہذا حیوانیت

سے اپنا اپنا کام نکالنے کی کوشش دو طرف سے عمل میں آئی۔ ادہر شیطانی اثر نے تدابیر پر تزویر سے اسکو دام میں لانا چاہا۔ اودہر روح انسانی نے اپنے کام میں لانا چاہا۔

حیوانیت عالم انسانی کے سبز باغ کی دلربائی حسرت بھری آنکھوں سے دیکھکر للچاتی ہے شیطنت وساوس دلا دیر سے اوسکی آتش شوق کو بھڑکاتی ہے۔ مگر روح انسانی کی دانشمندانہ صوابدید شیطنت کے خود غرضانہ اور حیوانیت کے جاہلانہ مقاصد کے آتش سوزاں کو حکمت کے چھینٹے دیکر بجھاتی ہے۔ اس صورت میں انسانی طبیعت اچھا خاصہ رزمگاہ بنجاتی ہے۔ ایک مصلح کی صورت میں دوسرا عیش دنیا دی کی حمایت میں دل ہی دل میں سرگرم پیکار ہے۔ سب کچھ ہی مگر خانہ جنگی کیوجہ سے ہر شے کا مزہ پھیکا پڑ رہا ہے۔

مادہ حقیقت شناسی کی وجہ سے باہمی تعلقات میں انسان کو خلق اور حق کا فائدہ تحقیق ہوا۔ اس فائدہ کو حاصل کرنے میں طبیعت اور نفس کے خلاف بہت سی قربانیوں کی حاجت بھی ظاہر ہوئی۔

اگر غرض حیات محض خواہش پرستی تصور کی جائے تو ایسا فائدہ حاصل کرنیکی کوشش سے خود مقصد زندگی کی خرابی لازم آتی ہے۔ کیونکہ یہ یقینی نہیں ہے کہ جو کچھ نفس کشی کی تکلیف اس حالت میں برداشت کی جاوے اوسکا بدل اسکو حیات دنیا میں ضرور حاصل ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تکلیف کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگے۔ یا تکلیف کا پلا جھکتا رہے۔ القصہ جو دوائے مرض ہے وہی تندرستی میں خرابی کا سبب ہے انسانی طرز معاشرت کی صورت ایک دوسرے کے حق کے خیال اور خلق سے قائم ہے۔ اگر یہ خیال نہ رہے تو وحشیانہ زندگی کا آغاز ہوجاوے۔ اگر یہ خیال رکھا جاوے تو اپنی تکلیف سے اپنے فائدہ کی یقینی امید نہیں ہے۔ البتہ اپنی بے آرامی میں دوسروں کا نفع یقینی ہے۔ مگر خود غرض انسان سے یہ توقع نہیں ہے کہ دوسروں کے آیندہ فائدہ کے خیال سے اپنی موجودہ تکلیف کی پرواہ نہ کرے۔ مذہب کا شاندار مستقبل بھی جذبات کے مقابلہ میں ایسے ہی قلوب پر کامل فتح حاصل کرسکتا ہے جنپر خوف ورجا کا پورا اثر ہے۔ دنیا میں ایسے موقع ہوتے ہیں کہ جان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ کبھی دوسروں

کے حق کے خیال سے ایسا مالی نفع بھی ترک کر دیا جاتا ہے جو تمام عمر کیواسطے مفید ہوسکتا ہے

جبکہ انسان حیات دنیا تک عیش و آرام کا دارومدار سمجھے۔ اور موجودہ تکلیف نفس کشی میں کسی اپنے ذاتی آیندہ نفع کی امید نہ رکھے تو اس کا مادہ خود غرضی اور آرام طلبی دیکھتے ہوئے اوس سے دوسروں کے نفع کی خاطر سے اپنے خواہشات اور جذبات کے خلاف عمل کی توقع ہرگز قرین قیاس نہیں ہے۔

نیز جبتک آئین مروت اور قواعد حق رسی کی غرض سے حاضر و غائب بہ رغبت دلی مناسب اصول نفس کشی پر عمل نہ ہو۔ انسانی طرز معاشرت کا نظام پُر امن اور آرام دہ صورت میں قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ جس طرح انسان قدرت کی طرف سے مادہ حق شناسی کیلئے منتخب کرلیا گیا ہے۔ اسیطرح ضرورت ہے کہ انسان حقیقت شناسی کو اپنی نظم عانیت کیلئے انتخاب کرے۔

مذکورہ بالا بیان کے موافق انسان کو اپنا ہی دل سمجھانے کے واسطے اندرونی اصلاح کی ضرورت ہے اور دوسروں سے اتحاد عمل رکھتے ہوئے کسی کافی وجہ کے ساتھ مناسب محل نفس کشی کے تعین کے ہمراہ حاضر و غائب کسے اصول پر عمل کی حاجت ہے۔ ۵

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردۂ بازمیگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

متضاد مادہ جات کی کشمکش باہمی کی مصلحت

جب کہ یہ صورت بدمزگی پیش آئی تو اوس کے دفعیہ کی تدبیر مناسب کی حاجت بھی لازمی ہوئی۔ حاجت ہوئی تو حاجت روا کی تلاش ہوئی۔ یہ خیال ہوا کہ دنیا اپنی حکیمانہ ساخت میں اگر کچھ بھی وقعت رکھتی ہے تو اوسمیں کوئی چارہ کار ضرور ہے۔ چارہ کار کیلئے ایسے قبلہ مقصود کی تلاش ہوئی جسکی طلب میں دونوں فریق تنازعہ متفق ہوں۔ اور انسانی طبیعت بہ اطمینان تمام اوسکو

دنیا نقطۂ خیال تصور کرسکے۔ دنیا کی ہر شے پر نظر کی۔ یہاں ایسی کوئی شے نہیں جس پر جملہ مطالبات انسانی کا اتفاق ہو۔ بلکہ ہر شے اس طرز کی معلوم ہوئی جو وجہ نفاق ہو سکتی ہے۔ دنیا کا بڑا عیش بہا سرمایۂ نفس امارہ کے احکام بجا آوری کی لذت ہے۔ وہی تلخ عیشی کا باعث اور بنائے مخاصمت ہے ہر شخص کا تجربہ ہے کہ زمانے نے ان احکام کو ذلت کے ساتھ پامال کیا ہے۔ جب حرص کا قدم حد سے آگے بڑھتا ہے مخالف ہاتھ سے رنج ناکامی کا داغ لیکر واپس ہونا پڑتا ہے۔ اس صورت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا وہ جسم معطل ہے جسمیں جان نہیں یا وہ لفظ مہمل ہے جسکے کچھ معنی نہیں۔ دنیا میں نفس انسانی تو مارگی چاہتا ہے اور انسانی ضرورت طمانیت کی حاجتمند ہے۔ جب امارگی دفع ہو تب طمانیت نصیب ہو۔

صاف معلوم ہوا کہ دنیا میں اخلاق اور حق رسی کے قیام کے اسباب نہیں ہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ہم نے ان اسباب کو نہ دریافت کیا تو فہرست حیوانات میں ہمارا بھی شمار ہوگا۔ انسانی زندگی کا مدعا فوت ہو جائے گا۔ تعلیم نبوت کے موافق روحانیت کا وہ عمل جس نے ہمکو انسان بنایا ہے باطل ہو جاوے گا۔ خالق کی غرض اظہار صفات حاصل ہو سکیگی۔ انسان ہو کر پیدا ہوئے جانور بنکر مرنا ہوگا۔ دنیا کی حقیقت تو سمجھ میں آگئی۔ لہذا دنیا کے باہر قبلۂ مقصود کی تلاش کی طرف خیال گذرا تا کہ حل مشکلات ہو۔ خانہ جنگی سے نجات ہو۔ پھر نبوت ہی کی جانب نظر پڑی اور ہمکو پتہ چل گیا کہ دنیا کیا ہے اور اوسکو ہمارے مقصود سے کیا تعلق ہے۔

نبوت۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کوئی عشرت کدہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ مقام ہے جو آخرت کی کاشت کی غرض سے بنایا گیا ہے۔ دنیا میں انسان کے مختلف تقاضہائے فطری کے لئے انکی رغبت طبیعت کے موافق ہر قسم کا تخم موجود ہے۔ اور اوسکی کاشت اور پرورش ہو سکتی ہے۔ انسان کی سعی اوسکے جہد کاشتکارانہ سے مشابہ ہے۔ خواہشات بیجا اوس گھاس کی طرح ہیں جو کثرت پیداوار کو نقصان

رسال ہوتی ہے۔ تاہم وہ پرورش حیوانات کیلئے موزوں ہے۔ اور حیوانات کا جد کاشت کو درکار ہے جس نے جد کیا وہ دار آخرت میں اپنی محنت کے نتیجہ کا متوقع ہوا۔ جس نے اس دار محنت کو مقام عشرت سمجھا۔ اوس نے خمیازہ غلط کاری میں رنج اوٹھایا۔ اور آخرت کیلئے سرمایۂ ندامت بہم پہونچایا۔

کاشتکار کا فرض ہوتا ہے کہ مفید شئیں کی کاشت کرے۔ جب تک خرمن تیار ہو سخت محنت اور صرف برداشت کرے اپنی محنت کا نتیجہ حاصل ہونیکی توقع کھلیان جمع ہونیکے بعد رکھے۔ کھلیان کی توقع اوسکی محنت کو آسان کر دیتی ہے اور اس کے اطمینان قلبی کا باعث ہوتی ہے۔ کیا خوب مثال ہے جسمیں حقیقت دنیا کے اظہار مفید پہلو نکلتا ہے۔ گویا انسان دنیا میں رنج و محنت کی پرواہ نہ کرے سختی کو خرمن آخرت کی توقع پر خوش گوار سمجھے۔ دار محنت کو دار راحت تصور کرکے دہوکہ کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔ کاشت ابتدا ہی سے دلکشا صورت رکھتی ہے۔ کلا پھوٹنے سے جب تک کہ لہلہاتا سبزہ نظر آوے کھیتی سے آنکھ کو ٹھنڈک دل کو راحت پہونچتی ہے۔ اوسمیں تردد کی محنت بھی پر لطف ہوتی ہے۔ جو کچھ سختی آپڑے اسکو خرمن کی توقع گوارا کر دیتی ہے۔ اس صورت میں دنیا کے اندر اوسکے رنج و صعوبت میں راحت کا پہلو دکھلایا ہے۔ اور پریشان خیالی کی تکلیف کو مٹایا ہے۔ کاشت محض خوش منظر ہی نہیں ہوتی بلکہ سب سے زیادہ جفاکشی کا کام یہی سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح یہ کاشتکار جد کی ترغیب بھی ہے۔ جس کے ساتھ خرمن کے رنج ناکامی کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

کچھ شک نہیں کہ دو ہی حرف سے تمام دنیا کی کامل شرح ہو جاتی ہے۔ مگر یہ سمجھنا لازم ہو جاتا ہے کہ دار آخرت کس طریقہ پر خرمن سے مشابہت رکھتا ہے۔ دار آخرت کس کے قبضہ میں ہے اور دنیا میں وہ کس طریقہ کاشت سے خوش ہے اور ہم دار آخرت کی حقیقت کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔

ہم نے سمجھ لیا کہ جب ہم ان امور کی صداقت پر یقین کرلیں تو ہماری نیک نیتی پر بہت اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ استحقاقی اور اخلاقی ڈراؤنا منظر جد کاشتکارانہ کی پر لطف صورت میں تبدیل

ہو سکتا ہے۔ وہ چند روزہ رنج جس کا نتیجہ دوامی راحت ہو وہ محنت نہیں ہے بلکہ آرام کی صورت ہو رنج محنت نہیں رہتا بلکہ کامیابی اور مسرت ہو جاتا ہے۔

آخرت پر یقین کے اسباب

ہم نے یہ تو اچھی طرح معلوم کر لیا ہے کہ بغیر حق رسی اور اخلاقی خوبی کے نہ انسانیت ہی کا مزہ ہے۔ نہ دنیا میں کچھ لطف ہے۔ انہیں بنیادوں پر انسانی طرز معاشرت کی عالیشان عمارت قائم رہسکتی ہے۔ قدرتی حکمت آمیز روش کا بے نقص ہونا پوشیدہ نہیں ہے۔ استحقاقی اور اخلاقی نظم نہ ہونا تو ایسا بڑا نقص ہے جس پر شان اشرف المخلوقاتی کا دارومدار ہے۔ آئین فطرت میں تو ناقص سمجھنے کے خیال کو بھی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا میں خلق اور حق رسی کے اسباب کا بیکار ہونا یہ ہرگز ثابت نہیں کرتا کہ چارہ کار کا وجود نہیں ہے بلکہ ایسا ہونا ملکہ تحقیقاتی حقیقت شناسی کو اشارہ ہے کہ اس غرض کیلئے دوسرا مقام ہے۔ حق رسی اور اخلاق کی اشد ضرورت کے باوجود اسکے صورت قیام میں غفلت ایسی غلطی ہے جسکو حماقت سے منسوب کرتے بھی شبہ کو دخل ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ آئین فطرت کی روش دانشمندانہ سے اسکو نسبت دنیا ہو نہیں سکتا کہ اخلاق اور حق رسی کی دنیا میں ایسی ضرورت ہو اور اوسکی کافی وجہ قیام کی صورت نہو۔ اسسے ثابت ہوتا ہے کہ جو نتیجہ ہم دنیا میں ڈھونڈھ رہے ہیں اسکا مقام دوسرا ہے۔

جب نطفہ رحم مادر میں پہونچتا ہے تو ایک قطرہ آب ہوتا ہے یہ نطفہ اس عرصہ میں کہ وہ صورت انسانی میں تبدیل ہو۔ رحم مادر کے اندر یکے بعد دیگرے بہت سے تغیرات صورت دیکھتا ہے۔ جب ایک صورت فنا ہو جاتی ہے تو دوسری اور بہتر پیدا ہوتی ہے۔ انسان کو ہر صورت کی پیدائش اور نمائیت کے بعد اوس سے خوبتر شکل نمودار ہونیکا حال معلوم ہے۔ یہاں تک کہ بتدریج صورت انسانی میں آکر دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کا فرش زمین ہے اور آسمان شامیانہ ہے کیا رحم مادر میں دنیا

کی وسعت اور عجائبات کا خیال وہم وگمان میں بھی آسکتا تھا۔

بہت سی صورتوں میں آنا ہر صورت کا فنا ہو جانا۔ پھر خوبتر شکل نمودار ہونا تو عقل مآل اندیش کیلئے بہت کچھ اسرار نہفتہ رکھتا ہے مگر اتنا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک حال کی فنائیت کے بعد دوسری اور بہتر صورت نمایاں ہونیکا کچھ سبب ہے جو اٹیک قائم ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ سبب کے ختم ہونے باب ترقی کو مسدود سمجھا جاوے۔ خاصکر جبکہ دنیا کی صورت حال سے آیندہ تبدیلی کی تائید ہوتی ہے۔

نہ توصفات انسانی میں خوبی کا کمال ختم ہوچکا ہے۔ نہ دنیا کے اسباب راحت خطرہ سے خالی ہیں۔ اس صورتمیں مزید اصلاحی تبدیلی کی حاجت قرین قیاس ہی نہیں بلکہ لازمی ہے جبکہ ہم نے رفتار ترقی کی کامیابی بس رحم مادر اور دنیا کی وسعت کا فرق آنکھ سے دیکھا ہے تو اپنی دنیوی نقائص کے حالات ترقی پذیر پر نظر کرتے ہوئے کسی بہتر صورتمیں عالم آخرت میں پہونچنا ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے ہمنے گناہ کو گناہ سمجھا سمجھکر گناہ کیا اور سزا نہ ملی ہمنے ثواب کو ثواب سمجھکر نیکی کی اور جزا نہ ملی۔

ہم یہ دیکھکر یا تو گناہ کو گناہ اور ثواب کو ثواب نہ سمجھیں یا عالم آخرت کو مقام جزا وسزا تصور کریں جب قرائن قویہ موجود ہیں تو دار آخرت یقینی ہے

ہم میں اچھائی برائی میں تمیز کی اہلیت ہے۔ پھر ہر ایک کے کرنیکا اختیار بھی یہ امتحانی صورت ہے جسکا نتیجہ نہ دار دہے نہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ نتیجہ ظاہر نہوگا نہ نتیجہ کا وجود دنیا میں دیکھا گیا۔ اس صورتمیں بجز عالم آخرت کوئی دوسرا مقام نتیجہ امتحان معلوم ہونیکا معلوم نہیں ہوتا جسکی ذرہ ذرہ میں حکمت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اوسمیں انتظامی اور انصافی صورت کی ایسی بین غلطی کو کوئی تسلیم نہ کریگا اور عالم آخرت پر فوراً یقین کامل کریگا۔

اب دو ضرورتیں باقی ہیں ایک تو آخرت کے مالک کے اوصاف کے علم سے خوف ورجا پیدا کرنا دوسرے جب خوف ورجا پیدا ہوجاوے تو اسکی رضا پر بصورت جد کاشتکارانہ عمل کرنا بلکہ جب اوصاف کے علم ویقین سے خوف ورجا پیدا ہوجاوے تو علم احکام اور پابندی میں دقت باقی نہیں رہتی ہے یہ انسانی حاجتمندی کی حکمت ہے کہ حاجت روا تک رسائی کی ضرورت پڑتی ہے اور اسوقت تک تو جو کچھ عطا ہو

وہ بلا مانگے اور بغیر شناخت حاجت رواکے بخشا گیا ہے۔ مگر دنیا کی زندگی اپنی کسب سے اعلی انعام الٰہی سے ستفید ہونیکا ذریعہ ہے جسمیں سب سے بڑی نعمت اوس آقا کی شناخت ہے جس کے ہاتھ میں آخرت کے انعامات کے خزانہ اور دوزخ کے عذاب کی کنجیاں ہیں۔

خود انسان کو ایسی حاجتیں ہیں جوکہ اوسکو اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ یہ اسباب حاجتمندی انسانی فطرت میں شامل کردیئے گئے ہیں۔ اگر موافق عمل کیا تو خیر ہے ورنہ دنیوی زندگی کا عیش حاصل ہوجاتا ہے۔ مثلاً حق رسی اور اخلاقی نظم مین فتور پڑجانا ... مہنا۔ اندرونی پریشانی کا ظاہر ہونا۔

جب انسان خالق کے اوصاف سے باخبر ہوجاتا ہے تو دنیا ہی میں خوش وخورم نہیں رہتا بلکہ عالم آخرت کی دوامی اور بہترین زندگی کے انعامات کا بھی متمتع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ان متضاد مادہ جات کی کشمکش سے جو دقتیں محسوس ہوئیں۔ اونکا یہ نتیجہ ہوا کہ انسان نے حاجت رواکی تلاش کی۔ اسلیئے وہ بیش بہا فوائد انسانی بھی دستیاب ہوئے جو حاجت رواکے علم اوصاف سے متعلق ہیں۔ دوسرا نفع یہ ہوا کہ انسان اپنی ہی متضاد کیفیات مزاجی دیکھکر آفرینش کے فعل کو سمجھکر اوصاف آفرینندہ کی شناخت کے قابل ہوگیا

اوصاف خداوندی کی شناخت اپنے اوصاف کے ذریعہ سے

ہم جب اپنی ہی حالت پر غور کریں۔ تو ہم سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ تین قسم پر تقسیم ہوتے ہیں۔ کچھ تو جاہلانہ ہوتے ہیں۔ اور جہد انیت سے مشابہ ہیں۔ جنھیں ہم سمجھتے ہی نہیں کہ ہم نے کیا کیا۔ کچھ ظالمانہ ہوتے ہیں اونکا تعلق شیطنت سے ہوتا ہے۔ جنکو ہم دانستہ برا سمجھکر کرتے ہیں۔ کچھ طرز انسانیت پر واقع ہوتے ہیں۔ جنمیں جہل وظلم سے اجتناب اونکے ضرر اور برائی کی بنا پر کیا جاتا ہے۔

ہماری طبیعت کا میل کسی طرف ہو دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور اوسی طریقہ پر جسکو ہم خود اختیار کریں۔

اچھائی برائی کے اعتبار پر جو تقسیم ہمارے افعال کی ہوتی ہے۔ وہ دو طریقہ پر ہے۔ کچھ تو عیب اور کچھ ہنر سمجھی جا سکتی ہیں۔

چنانچہ انسان میں عیب بھی ہیں اور ہنر بھی۔ اور انسان کو دونوں جانب رغبت ہے چونکہ انسانی حالت میں اوسکی کسی صورت کو بڑا دخل ہے اسلیے عیب کا پلہ جھک گیا تو شر کا غلبہ پیدا ہو کر خوبی ہنر کا حجاب ہوتا ہے اسی طرح اگر خیر غالب آئی تو شر کا مادہ کمزور پڑ جاتا ہے اس طریقہ پر عیب و ہنر کا نام تو باقی رہتا ہے۔ مگر تعریف سمجھنے میں ایسا خلط ملط ہو جاتا ہے۔ کہ انسان کبھی عیب کو ہنر سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور کبھی ہنر کو عیب خیال کر کے ترک کرتا ہے۔ انسان میں عیب و ہنر شیر و شکر کی طرح ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح یہ ظاہر نہیں ہے۔ کہ وہ اجزا کونسے ہیں جو عیب و ہنر کی کفالت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہنر کے ساتھ عیب کا خیال بھی ایسی پوشیدہ صورت میں شامل ہے۔ کہ انسان اپنے ہی نفس میں قابل اطمینان طریقہ پر انکی جدا جدا تفریق نہیں کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اصول انسان اپنی فہم سے بناتا ہے۔ اعتماد کلی کے قابل نہیں ہوتے۔ اور تجربہ میں آکر انسانیت کا کامل فائدہ اونسے مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اختلاف مذاہب میں یہ سوال بخوبی حل ہو جاتا ہے۔ باوجود ظاہری باہمی اختلاف کے ہر مذہبی گروہ اپنے طریقہ کے صحت اصولی پر کامل وثوق رکھتا ہے۔

یہ وہ خامی ہے جو نظر آتی ہے۔ اور اوسکو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو عالم انسانی کی خبر نہیں ہے۔ اور وہ اس حالت میں اون انعامات قدرتی سے محروم

ہو جاتا ہے۔ جو دنیا میں وہ سیجے اوخاص اصول مفیدہ سے حاصل کرسکتا تھا۔
اگر زندگی کا مرتے ہی خاتمہ ہو جاتا۔ تب تو ہر شخص جو چاہتا سو کرتا۔ تھوڑا نفع نقصان تھا۔ مگر جبکہ زندگی دوامی ہے۔ اور دنیا کی زندگی سے آیندہ زندگی کا نفع و نقصان متعلق ہے۔ اس حالت میں یہ ضرورت بہت اہم صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

جب ہم اپنے ہی مجوزہ اصول پر کاربند ہوتے ہیں۔ تو اون خامی کا باعث عیب و جہ سے نقصان ظاہر ہوتا ہے جو غلط فہمی کی وجہ سے ہم میں باقی رہتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ہم نے اسباب ضرر معلوم کرلئے اور خامی دور کرنیکی غرض سے اصلاحی کارروائی کی مگر بھٹک کر ایسے راستہ پر ہو پڑے جو پہلے سے بھی زیادہ کج اور ناہموار تھا۔ آخر کار ہم سمجھ لیتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں اوسکے واسطے ہماری رائے کافی نہیں ہے۔ اخلاقی اور استحقاقی بحث کے موقع پر یہ امر کامل روشنی میں آچکا ہے۔

اگرچہ انسان چاہلانہ یا ظالمانہ روش اختیار کریں تو اخلاق اور حقوق جو کچھ آنکھونکی شرم کے خیال سے ہوا کرتی ہے۔ وہ بھی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ جب عیب کی نوعیت خیال میں عموماً قائم نہ رہے تو عیب کرنے میں کچھ شرم ہی نہیں رہسکتی۔ اس خیال کے ساتھ باہمی تعاون کا سلسلہ منقطع ہو کر انسان کو آخر کار حیوان ہونا پڑیگا۔

اسلئے انسانیت اس امر کی محتاج ہے۔ کہ عیب اور ہنر کو اپنے خیال میں نہایت اہمیت کی صورت میں جگہ دے اور جو کچھ خامی ہے۔ اوسکے دفعیہ کی کوشش کرے۔ کیونکہ خامی کی اصلاحی تدبیر چھوڑ دیجائے تو بہی بہ تدریج فساد میں اضافہ ہو کر عیب و ہنر کی تمیز اوٹھ جانے تک نوبت پہونچنے کا خطرہ ہے۔ قبل اسکے کہ ہم چارہ سازی کی بابت غور کریں۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنی انسانیت کی حقیقت دریافت کریں۔

جو صفات ہمکو عالم حیوانی کیحالت سے جدا کرتے ہیں۔ وہی ہمارا انسانی حصہ ہے۔ جملہ علوم فنون حقیقت شناسی عیب و ہنر میں تمیز اسی کی بدولت ہے۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کوئی خاص جوہر ہے۔ کہ جو ہنر کی خوبی کا متکفل ہے۔ مگر حیوانیت کا شمول اوس نقصان کا سبب ہو جو بصورت عیب انسانی شکل میں نمایاں ہے۔

اس قدر علم کے بعد ہمارا فرض ہوجاتا ہے۔ کہ ہم انسانی صفات کو اثر حیوانی سے جدا کرکے معلوم کریں۔ اور ایسی اصلاحی تدبیر سے کام لیں۔ کہ جو خوف ہمکو اپنی خامی کی وجہ سے ہر وقت رہتا ہے۔ اوسکا علاج بھی ہر وقت ہی جاری رہے۔

جبکہ نوع انسانی میں خلقی طور پر کوتاہی فہم حق و باطل شامل ہے۔ لہذا اصلاحی حاجت کا تقاضا کمال بے نقص کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اسلئے ہمکو اپنی حاجت روائی کیواسطے ایسی ہستی کی تلاش لازمی ہوجاتی ہو جسکے صفات تمام نقصانات سے مبرا ہوں۔ اور وہ تمام اوصاف کمال سے آراستہ ہو۔ ہماری تدبیر اصلاحی کی یہی ہستی متکفل ہو تب ہم کامل قابل اطمینان طریقہ پر انسانیت کا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ یا اس صورت مین ہم کم سے کم انسانیت سے قریب تر رہکر حیوان کامل ہونیسے بچے رہیں گے

چنانچہ جب ہم نے دیکھا کہ نبوت ایسی ہستی کو معہ ایسے اصلاحی طریقہ کے پیش کرتی ہو جو کہ جملہ صفات کمال سے آراستہ اور نقص سے مبرا ہے جسنے ہماری اصلاح کیواسطے ایسے اصول قائم کیے ہیں جسمیں عجز انسانی اور لوث بشری کو دخل نہیں ہے۔ اور اون کی پیروی میں اصلاح کار کی کافی رعایت ہے۔

گو ہم اپنی خامی کی اہمیت کو اپنی لوث بشری کی وجہ سے اوسکے پیمانہ ضرورت پر نہ سمجھیں۔ مگر چارہ ساز حقیقی ہماری حاجت کو اوسکی اصلی صورت مین سمجھتا ہے۔ اگر ہمارے

اس نقص کی بابت چارہ کار نہ ہوتا تو اسکے یہ معنی ہوتے۔ کہ خالق کا مقصود ہماری پیدایش سے محض ایذا رسانی ہے۔ یا ہمارا کوئی خالق نہیں ہے۔ اور ہے تو اوسمیں حکمت کا کمال نہیں ہے اور بصورت چارہ کار یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ہمارا خالق ہے اور اوسنے اپنے کمال حکمت کے کسی مصلحتی بنا پر ہماری خلقت میں یہ کوتاہی پیدا کرکے دوسرے خارجی طریقہ سے اوسکی اصلاح کا بندوبست کیا ہے۔

مصلحت بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر یہ خامی نہ ہوتی تو اصلاحی ضرورت نہوتی۔ اصلاحی ضرورت نہوتی تو چارہ ساز تک رسائی نہ ہوتی۔ اور اظہار صفات کا مقصود جو انسانی صورت میں ہوسکتا ہے تکمیل کو نہ پہونچتا۔ اور انسانی حالت بھی فطری کمال نہ حاصل کرسکتی۔ نہ اخلاق الٰہی معلوم ہوسکتا۔ نہ اپنی عبدیت ظاہر ہوتی۔

انسان کو خلعت اشرف المخلوقات زیب تن کرکے فہم حقیقت رس کے ساتھ پیدا کرنا پھر اوسمین ایسے نقص کو باقی رکھنا۔ کہ اگر وہ خود اپنی کوشش سے اپنا چارہ کار نہ سمجھے۔ تو ارذل المخلوقاتی کا طوق لعنت اُسکے گلے پڑجاے۔ اکثر نتائج مفید کو شامل کیا ہے۔ اول یہ علم کہ جسنے اس قسم کی حکمت کو انسانی خلقت مین شامل کیا ہے۔ وہ خالق کُل اور حکیم مطلق ہے۔ کیونکہ دونوں امور کی مطابقت حکمت خالقیت کا ثبوت ہوجاتی ہے۔ دوسرے اس بات کا ثبوت کہ فطرت کی اتفاقی اور بے اختیاری صورت عمل کو ایسے اٹمل بے جوڑ دور دراز کارروائی سے جسمین دانشمندانہ صوابدید کو دخل ہے۔ تعلق نہین ہوسکتا۔

انسان کو فطرتاً اپنا چارہ کار خود کرنا ہے صورت اصلاحی موجود ہے موانعات چارہ کاری پائے جاتے ہیں۔ اس دورا ہے پر منزل مقصود کا راستہ تلاش کرنا ہے چارہ سازی کی کوشش میں گو نتیجہ پر اختیار نہیں ہے مگر جو حکیمانہ انداز نتایج بے اختیاری میں دیکھا جاتا ہے وہ چارہ ساز کے

فعل کی شہادت دیتا ہے اور فطرت کی بے اختیاری کی نفی کرتا ہے۔ ہر غور کرنے والے پر صورت منکشف ہوجاتی ہے جب تمام دنیا میں چارہ سازی دانستہ ثابت ہے تو چارہ ساز کا وجود بھی ثابت ہو چکا اب اسکے حکیم اور خالق سمجھنے میں کیا حجت ہوسکتی ہے۔

ہمارے عیب میں یہ حکمت ہے۔ کہ ہنر کے کمال تک ہمکو رسائی ہوجاتی ہے۔ اگر حاجت مجبور نہ کرے تو کوئی حاجت روا کی تلاش نہ کرے۔ اور اگر تلاش نہ کرے تو حاجت روا تک باریابی نہو۔ جب باریابی نہو تو اوسکو شناخت نہین کرسکتا ہے۔ اور جب تک شناخت نہ کریگا اوسکی حاجت روائی پر یقین نہ کریگا۔ اور جب تک یقین نہ کریگا اوسکی حاجت براری بھی نہین ہوسکتی ہے۔

ہماری نامی سے اصلاح کار کا اس سے بہتر طریقہ نہین ہوسکتا ہے کہ ہمارا ابنای نوع اس کام کو کرے۔ اوسکو خالق کے صفات اور ہماری تدبیر اصلاح کی قابل اطمینان ذریعہ سے معلوم کرائی جاوے۔ اور ہم اپنی عقل سے کام لیکر اوسکی صداقت کا یقین کرین۔ ہم بیشک اپنی عقل سے کام لیکر کسی جامع اور مانع اصول کا قائم کرنا دشوار ہے۔ مگر اوسکا اطمینان صداقت آسان ہے۔

جسطرح اپنی اصلاح کیواسطے اپنا ہی بنی نوع موزوں ہے۔ اسی طرح صفات آلہی کو اپنے ہی اوصاف کے ذریعہ سے سمجھنا بہت مناسب طریقہ ہے خاصکر اپنے اوصاف میں روح انسانی کی حقیقت معلوم کرنا اس کام کے لئے بڑا رکن ہے چنانچہ ہماری خامی کی اصلاح میں دو ذیل امور کی رعایت ہے۔

ہمکو شیطانی مکر آمیز نقصان رسانی اور حیوانی بے قاعدہ خواہش پرستی کے معاملہ سے سابقہ رہتا ہے۔ اسلئے ہم اپنے قانون کے ذریعہ سے خود سزا جزا تجویز کرتے ہیں اور انصاف کے ذریعہ سے اصلاح کا

کرتے ہیں۔ ایسے موقع بھی پیش آتے ہیں۔ کہ قصور کو معاف کر دیا جاوے ۔ اور توبہ کو قبول کر کے گذشتہ معاملات سے درگذر کیا جاوے۔

چنانچہ عفو قصور اور درگذر ہم بہت خوشی سے کرتے ہیں ۔ اور انصاف سے باہر قدم نہیں رکھتے بلکہ یہ وہ صفات ہیں ۔جو کہ ہماری حسن طبیعت کی تعریف کا ذریعہ ہوکر شہرت عام کا سبب ہو جاتے ہیں ۔جب ہم اپنے میں یہ صفت پاتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ انصاف اور رحم خالق میں کس طرح پر جمع ہو سکتے ہیں

ہم میں روح انسانی ہے۔ لہذا اخلاق الٰہیہ بھی ہم سے ظہور میں آتے ہیں ۔ ہم بلا مانگے حاجت روائی کرتے ہیں ۔ اپنے ابنائے جنس کی دلداری میں مروت کے موقعہ پر خواہشات نفس کی قربانی کر دیتے ہیں راحت رسانی میں رنج و محنت برداشت کرنا ہماری آرام طلبی ہو جاتی ہے ۔ہم محبت و مروت پر عمل کرتے ہوئے خوف و ملامت کی پرواہ نہیں کرتے ۔غصہ کا تلخ گھونٹ حلم کے موقع پر شربت کی طرح پی جاتے ہیں ۔غصہ کی عقل سوز غلبہ میں حلم کا موقعہ سمجھ لینے میں حق گوئی کو جان و مال سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں ۔ اپنی صنعت اور حکمت سے انداز حکیمانہ سمجھتے ہیں ۔ اور بہت کچھ فائدہ دنیا میں اپنی صناعی سے حاصل کرتے ہیں ۔ دنیا میں جو کچھ ہے اور جس شکل میں ہے خواہ پوشیدہ ہو یا آشکارا ہمارے دست تصرف سے باہر نہیں ہے۔

اس طرح ایسے اوصاف سے ہم اس حقیقت کا اندازہ کرسکتے ہیں جو ہماری پیدائش اور قیام میں اللہ کی جانب سے دنیا میں دیکھی جاتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی مختلف المزاج کیفیات میں سے ایک کو اپنا دستور العمل کرلے ۔ اور جملہ انسان ایک ہی روش اختیار کرلیں ۔ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس حالت میں کیا نتیجہ ہوگا۔

ہر انسانی مادہ اپنے رنگ میں اپنی نوعی مخلوقات سے کامل مطابقت رکھتا ہے مثلاً حیوانیت

میں اس قدر عقل ہے. جتنی اونکو خطرہ جانی سے محفوظ رہنے اور زندگی قائم رکھنے کے لئے درکار ہے اون کی حالت کسی ذی عقل مخلوق کی حاجت روائی میں کام آنیکے قابل ہے۔ انسانی صورت کا ایک جزو ہوتے ہوئے بھی حیوانیت کے یہ خصوصیات باقی رہتے ہیں۔

چنانچہ حیوانیت بصورت انسانی خواہ روح انسانی یا مادہ شیطانی کا مصرف ہوکر کام کرتی ہے۔ اگر سب آدمی ایک روغن شیطانی پر اپنی حیوانیت کو کام میں لادیں تو اخلاق انسانی اور حق رسی کی قید دلوں سے نکل جاوے اور سلسلہ تعاون جو کہ اسی قید کے ذریعہ سے چل رہا ہے منقطع ہوکر حیوانیت محض باقی رہ جاوے۔

علاوہ اون اشخاص کے جو انسانیت کا کمال رکھتے ہیں روح انسانی کا عمل ناقص صورت میں انسانوں کی تعداد کثیر میں پایا جاتا ہے۔ اس شکل میں، وہ لوگ شامل ہیں جنہیں مذہبی خیال کو کمزور طریقہ پر دخل ہوتا ہے۔ تاہم دنیا میں یہ اثر اس قدر زیادہ ہے کہ معدودے چند الا مذہب اپنی غلطی کے نتیجہ میں کامل حیوان ہونیسے محفوظ ہیں۔

البتہ جس مادہ کا اثر غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اہل زمانہ کا رنگ طبیعت بھی اوسکے ہمراہ بدل جاتا ہے اور اثر غالب کے مناسب حال اہل زمانہ سے امن پسندی یا ایذا رسانی کی کثرت یا قلت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ انتظام الٰہی ہے۔ کہ جب شر حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو اس کے اسباب اصلاح مہیا کر دیتا ہے۔

ہمکو خدا نے عظمت۔ حکومت۔ قدرت۔ قوت ایسی عنایت کی ہے کہ ہمارا ہاتھ مشیت کا کارپرداز بن جاتا ہے۔ ہم نے اپنی عقل و حکمت صنعت اور حرفت سے دنیا میں تصرف عام کر رکھا ہے۔ حیوانات ہمارے مسخر ہیں ملائک اور جنات تابع ہو جاتے ہیں۔ ہوا اور پانی پر ہمارا حکم جاری ہے۔ خالق نہیں اور سب خلقت ہماری ہے۔

اس حالت میں ہم خالق کی صفات کو اپنی ہی علم صفات سے سمجھ سکتے ہیں اور اخلاق الٰہیہ کا فائدہ جو انسانی سطح رذائل سے معلوم کر سکتے ہیں۔ جو کچھ نبوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوا اور ہم اپنی خامی کی وجہ سے اوسکے سمجھنے میں عاری ہوں تو اپنی ہی افعالی اور اخلاقی صورت سے اوسکی حقیقت کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسانی طریقہ خلقت اوسکی اشرف المخلوقاتی کا باعث ہے اور خاص انعامات الٰہیہ پر شامل ہے۔ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خطرات امتحانی کیوں ساتھ لگے ہوئے ہیں؟ جب انسان اپنے ہی نظم دنیا میں اپنے امتحانات دنیوی قائم کرنیکے حق اور ضرورت پر غور کریگا تو اوسکو خدا کی حکمت امتحانی خود سمجھ میں سکتی ہے۔ اپنے دربار کے آداب اور قیود حاضری سے نازک قیود اور ان کی مصلحت معلوم کر سکتا ہے۔ اسیطرح اپنے معاملات خدا کی صورت معاملاتی ہر قسم کی سمجھ سکتا ہے۔ گو ہمنے بخیال طوالت صفات الٰہیہ کی تشریح فرداً فرداً نہیں ہے مگر ہمارے بیان سے صفات اللہ کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان میں ہر صفت الٰہیہ کی اصل موجود ہے اور اس اصل کی حقیقت دریافت ہو کر اس اصل کی حقیقت کا انکشاف ہو سکتا ہے۔

خدا کی تنزیہہ اور تقدیس

گذشتہ بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے سی اخلاقی صورت میں تمام صفات الٰہیہ کو کام میں لانیکی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوسکو معرفت الٰہی کی ضرورت ہے اور اگر وہ تمام صفات الٰہیہ کو مناسب محل پر کام میں لاوے تو مخالفت کا سزاوار ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ ذات پاک منزہ ہی ہے۔ لہٰذا یہ بھی بیان کرنیکی ضرورت ہے کہ انسان صفات تنزیہہ اور تقدیس کو اپنی ذات سے کیونکر معلوم کر سکتا ہے۔ ہم میں علوم و فنون بے پایاں ہیں۔ نجوم۔ فلسفی علم ہندسہ وغیرہ اور ہزارہا اقسام پیشہ۔ ہم زمین پر ہیں مگر ستاروں کی بعد مسافت کی پیمائش کر سکتے ہیں۔ ہماری ایجادات شمار میں نہیں آ سکتیں اونکا سلسلہ ہنوز جاری ہے اسلئے یہ نہیں جلوم کہ اور کسقدر کی گنجایش ہے۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ ان علوم اور فنونکی سمائی ہمارے جسم میں ہے تو غلط ہوگا کیونکہ جسم میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ جسم تو مردے کا بھی ہوتا ہے۔

اگر یہ سمجھا جاوے کہ جسم مع روح حیوانی ایسی معلومات کی متکفل ہے۔ تب بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ وقوف حیوانی ہزارہا ہے اور یہ صفت کسی میں نہیں ہے۔

اس کے بعد ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ اہلیت روح انسانی میں ہے۔

روح انسانی اپنے صفات کمال کو ایسے روشن آثار سے نمایاں کرتی ہے۔ اور بہ مقابلہ روح حیوانی عالم انسانی کی شان امتیازی ثابت کرتی ہے۔ یہی پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ پاک نے جس روح سے اپنی نسبت خصوصیت کو ظاہر کیا ہے۔ وہ یہی ہے روح انسانی بہ اعتبار صفات خاص روشن دلیل ہے تاہم کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس صورت پر ہے اوسمیں ناپ تول کا دخل ہے یا نہیں۔ آیا ہم اوسکی مثال کسی شے سے دیکھتے ہیں یا ہمارے وہم وخیال میں اوسکی ذات کی حقیقت آسکتی ہے؟ ہر سوال کا جواب نفی میں آتا ہے۔

یہی وہ تنزیہہ اور تقدیس ہے جو نبوت کے ذریعہ سے صفات الٰہیہ میں ظاہر کیگئی ہے جب جملہ صفات اپنی ہی ذات میں عیاں ہیں۔ پھر ان کا ذات الٰہیہ میں باور کرنا کیا دشوار رہا۔ ہم نے بذریعہ تعلیم نبوت اپنے اجزائے ترکیبی اور غرض منفعت معلوم کرلی اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ روح انسانی نورانی جوہر مجرد ہے۔ انسان کے تمام صفات امتیازی کی یہی روح متکفل ہے۔

حیوانیت کی غرض خلقت مہمات روح انسانی میں مددگار ہونا ہے

شیطنت وہ خصائل رذیلہ ہیں جن سے اجتناب لوازمات انسانی سے ہے۔

شریعت وہ صراط مستقیم ہے جنہیں خود حکیم مطلق نے انسانی مجہدی۔ اور اہلیت خاص کی بنا پر ضروریات انسانی کے کامل فیصلہ کن اصول تجویز فرمائے ہیں۔ تاکہ گمراہی کا انسداد ہو۔ جب کل کائنات کے اجزا ترکیبی کا جزو انسان میں شامل ہوگیا۔ تو انسان بہ اعتبار صفاتی کیفیت۔ افعالی صورت یا ذاتی حالت کے اپنی ہی ذات سے چھوٹے سے پیمانہ پر تمام آفرینش کا نمونہ ہوگیا۔ ذاتی صفات الٰہیہ کا آئینہ ہوگیا۔ جنہوں نے اس کے رنگ خلافت کو دیکھا اور عبدیت پر نظر نہ پڑی اسکو خدا کہنے لگے۔

خداوند عالم تمام آفرینش کا بحالت مجموعی چارہ ساز ہے۔ انسان بھی اس زمرہ میں داخل ہے۔ انسان جملہ نظم کا شائبہ جو کل کائنات میں ہو رہا ہے اپنے ہی جسم میں پاتا ہے۔ اس کا جسم جملہ کائنات کے نظم کا چھوٹا نمونہ ہے۔ اوصاف خداوندی کا آئینہ ہے اسکی مجبوری معذوری اسکی عبدیت ظاہر کر رہی ہے۔ اور اُسکے اوصاف کمال اسکی قابلیت خلافت پر دال ہیں۔ جب انسان اپنی عبدیت اور فرائض منصب خلافت پر آگاہ ہو جاتا ہے۔ عالم آخرت کا والہ و شیدا ہوتا ہے۔ دنیا کی آسایش ناچیز نظر آتی ہے۔ خوف و رجا پیدا ہو جاتا ہے۔ شاہراہ شریعت پر چل نکلتا ہے۔ جتنا چلتا جاتا ہے منزل مقصود سے قریب تر ہوتا ہے۔

یہ وہ خراط ہے جسپر چڑھتے ہی ناہمواری درست ہونا شروع ہو جاتی ہے یہانتک کہ انسان اپنا حصہ عالم آخرت سے پاتا ہے۔ طریقت بھی شریعت کا ایک حصہ ہے۔ مگر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسلیئے ہر ایک کا بیان جدا جدا کیا جاتا ہے۔

شریعت

جب ہم نے اپنے اجزاء ترکیبی اور اس کے خواص کو معلوم کیا۔ تو ہر عنصر کو بہ اعتبار تقاضاء فطری و کیفیت مزاجی دوسرے سے جدا پایا۔ ایک عنصر کی حالت کے اعتبار پر جسکو عیب تصور کیا جاتا ہے وہ دوسرے کے لحاظ سے ہنر سمجھا جاتا ہے۔ انسانی طبیعت ہر عنصر کے زیر اثر ہے۔ اور اثر میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس طریقہ پر عیب و ہنر کی تعریف اس قدر مختلط ہو گئی ہے کہ حدود عیب و ہنر کا تعین کرنا ضروریات انسانی میں داخل ہو گیا ہے۔ جب تک ہمکو عیب و ہنر میں صحیح تمیز نہ ہو روش انسانی کے فائدہ سے محروم رہیں گے۔ ہمارے تقاضہا فطری دو حال سے خالی نہیں ہوتے ایک حیوانی طریق عمل سے ملتا ہے دوسرا اوس سے جدا ہے اور طرز انسانی سے منسوب ہوتا ہے

ضرورت ہے کہ خالص انسانیت اور حیوانی آمیزش کو معلوم کیا جاوے۔

ہمارا مادہ حقیقت شناسی انسانیت اور حیوانیت میں وجہ تمیز ہے۔ انسانی ذہن عیب و ہنر کی حقیقت دریافت کرتا ہے۔ پھر بہ طریق اخلاقی عیب سے گریز کرتا ہے۔ حیوانی ہنر ہر ممکن ذریعہ سے اپنی ہوس رانی میں کامیاب ہوتا ہے۔ اگر مادہ حقیقت شناسی سے کام نہ لیا جاوے تو انسان حیوان کا حیوان ہی باقی رہتا ہے۔ اگر سہل انگاری کرتا ہے تب بھی انسانیت ناقص رہتی ہے اسلئے ضرورت ہے کہ عیب و ہنر کا صحیح تعین کیا جاوے ورنہ انسان ایسی آنکھ والا تصور ہوگا جو دیکھنے کی ضرورت کے وقت آنکھ سے پٹی باندھ لے۔

چونکہ عیب و ہنر مخلوط ہیں اسلئے ان سے فائدہ حاصل کرنیکے بھی دو طریق ہوگئے ہیں ایک مذہبی صورت میں دوسرے لامذہبی کی حالت ہیں۔

مذہب عالم آخرت کو دوامی قرارگاہ قرار دیتا ہے۔ ناروا خواہشات کی حدود مقرر کر کے اون سے احتراز کو وجہ آسائش اُخروی بتلاتا ہے۔ اسلئے ہر اصول مذہبی میں خیال تجرد کا غلبہ ملحوظ ہوتا ہے۔ جو ناروا عیش دنیا سے وجہ نفرت اور باہمی تعلقات میں وجہ محبت اور حسن معاملت ہوجاتا ہے لامذہب کا نصب العین عیش دنیوی ہوتا ہے۔ یہ خیال حیوانی روش سے ملتا ہے کیونکہ ہرطرح پر ایسا شخص اپنی ہی خواہش پورا کرنا کامیابی سمجھتا ہے۔ اسکو خلق و مروت کی جب ضرورت ہوگی جب کسی مجبوری کی صورت ہوگی۔

مذہب بھی بہت سے ہیں، اور اون کی صداقت اور خوبی اون کے اصول تجرد کے طریق تعلیم سے ظاہر ہوجاتی ہے مگر ہمکو صرف اہل مذہب اور لامذہب کے حالات پر نظر ڈالنا ہے۔ ہر انسان میں خواہشات اور جذبات یکساں ہیں مگر اون کے پورے ہونیکے اسباب میں بہت اختلاف ہے۔ ہم میں ضعیف اور بے سامان ہیں مگر سب وہی چاہتے ہیں جو اقویا اور سامان

والوں کو درکار ہے۔ اکثر مطالبات کا باہمی ٹکراؤ ہو جاتا ہے بہت سے طالب ایک مطلوب پر جمع ہو جاتے ہیں۔

ہمکو یہ دکھلانا نہیں کہ عیش پسندوں پر ضعف اور بے سامانی میں تمناؤں کی کثرت اور کامیابی کی قلت سے کیا گزریگی بلکہ ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ عیش پسندی کے عقیدہ سے اقویا اور سامان والوں کو بھی کم نقصان کی صورت نہیں ہے۔

امرا اپنے اہل تعلق اور اہل خدمت کی امداد سے آرام پارہے ہیں اور اہل خدمت و تعلق مذہبی تعلیم صبر و قناعت و فرائض انسانی کی وجہ سے خدمت اور خیر خواہی میں دل لگا رہے ہیں اگر خادم و مخدوم مذہبی تعلیم سے بے بہرہ بندۂ عیش ہو کر حرص و طمع میں گرفتار ہو جاویں تو جو ایک پارچہ نان پر قناعت کر رہا ہے وہ ایک جہان سے سیر نہ ہوگا۔ جو تھوڑے کو بہت سمجھکر گرویدہ احسان ہے وہ بہت کو تھوڑا خیال کر کے رضامند نہ رہیگا۔ مخدوم کو خادم کی حق تلفی روا ہوگی خادم کو مخدوم ہونیکی تمنا ہوگی اس طرح پر جو کچھ امرا کے ذرائع راحت ہیں وہی دشمن عافیت ہو جائینگی تعلیم دین کے اثر کی کمی کے ساتھ اس حالت کا تجربہ بھی ہو رہا ہے۔

جب تعلیم مذہبی کے اثر سے دنیا کے نقش محبت کا غلبہ مٹ جاتا ہے تب دنیا کا وہ رشتہ منقطع ہو جاتا ہے جو کثرت غم کا سبب ہوتا ہے۔ اور وہ تعلق قائم ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے شریک درد ہونے کا محرک ہے۔

دنیا کے دار المحن میں اسباب غم بے اختیاری ہیں۔ بے صبر طالب عیش ایسے موقع پر حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

جس طرح تعلقاتی زندگی میں غم کا خاص تکلیف دہ اثر ہونا ضروری ہے اوسی طرح خیال تجرد کے ساتھ ہر حال میں خوش رہنا بھی لازمی ہے۔

اہل تجرد سے اخلاقی اور استحقاقی موقعوں پر خطا کا گمان نہیں ہوتا۔ یہ وہ خیال ہے جس کا
ذہن نشین ہونا بوستان عالم کی خشک جڑوں کو پانی دیکر شاداب کرتا ہے۔ اسیطرح اہل تعلق سے
بوجہ طلب حرص و غرض۔ ان اصول پر قائم رہنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اسلئے ایسے لوگوں کا وجود
سال خشک کی طرح مصیبت کا سامنا ہے۔ تجرد کی یہ غرض نہیں کہ تعلق کا مادہ یا دنیا کے کاروبار
سے واسطہ نہیں رہتا۔ بلکہ عالم آخرت کی دوامی مسرت کا خیال دنیا کی عارضی راحت کو نظر میں
ہیچ کر دیتا ہے ناچیز اور حقیر شے کی بابت شادی اور غم کا اثر معمولی ہوتا ہے۔

اگر ہم اخلاقی اور استحقاقی صورتوں میں اپنی ہی غرض مقدم سمجھیں تو حیوانات کے مقابلہ میں
ہمارے پاس انسانی شرافت کے ثبوت میں کوئی دلیل نہ رہے۔ نہ ہم بغیر کسی کافی وجہ کے اپنی خود
غرضی ترک کر سکتے ہیں۔

اس وجہ کا دریافت کرنا انسانیت کی خیر طلبی ہے۔ ایسی صورت میں تجرد کا خیال اور وہ صورت
جو اس خیال کی محرک ہو فطرت انسانی کے موافق معلوم ہوتی ہے اور خود غرضانہ عیش پسندی خلاف
فطرت ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ خود خالق ہر فطرتی ضرورت کا متکفل ہے اسلئے جب ہم یہ گتھی سلجھانے
کو بیتاب ہوتے ہیں تو خدا کی طرف سے نظم اصلاحی چارہ سازی کا متکفل ہوتا ہے۔

یہ تعلیم نبوت ہے جو ہمارا اضطراب ہی دفع نہیں کرتی بلکہ ہمکو ایسے انعامات خاص کی طرف
رہنما کرتی ہے جو ہمکو معلوم نہیں۔ اور ہمارے واسطے ہیں جنکی خوبی میں یقین صداقت اور کشش
توجہ قلبی کے وہ اسباب ہیں جو دنیا میں خود غرضی اور خواہشات بیجا سے دست برداری کا
کافی سبب ہو سکتے ہیں۔

مذہبی رہنموئی کے ساتھ انسانی طبیعت دوسروں کی غرض سے ہر تکلیف گوارا کرنے میں
لذت خاص حاصل کرنیکے واسطے موزوں ہے۔ یہ صفت حیوان میں نہیں پائی جاتی ہے اسلئے

خالص انسانیت سمجھی جاتی ہے۔

مذہب اسلام نے عجب فراست سے اس جوہر کی حفاظت کی ہے وہ اصول اسلام کے عمل سے بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

یہی وہ صفت ہے جسکی ترقی اور تربیت مذہبی نقطۂ نظر ہے۔ انسانی کوتاہ نظری پر نظر کرتے ہوئے مذہب نے ایسے اصول قائم کرکے لازمی کر دیئے ہیں جن سے فوائد انسانی کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ شاہراہ تیار ہوجاتا ہے جو دنیا کے شاداب ترین سیرگاہوں سے گذرتا ہوا عالم آخرت کے اعلیٰ مقامات تک پہونچاتا ہے۔

گو انسان میں عیب و ہنر کی آمیزش نامعلوم طریقہ پر ہے، مگر خالق نے اپنے مذہبی مجوزہ اصول میں وہ تدبیر رکھی ہے جو اس نقص کا علاج ہے۔ فیض انسانیت سے استفادہ کا ذریعہ ہے خالق پر دعوئی ایمان رکھنے والوں کے لئے صورت امتحان صداقت ہے۔ کامیابی کی حالت میں استحقاق نعمائے آخرت کی دلیل ہے۔ دنیا میں بشکل عافیت اور حسن معاملت ہے۔ عشق الٰہی کی کسوٹی۔ مستحق لطف وکرم ہونے کا ذریعہ۔ ضلالت سے کنارہ کشی کی شہادت ہے۔ بوالہوسی کے امتحان مقابلہ میں غلبہ کی سند ہے۔ جب تک کسی خوبی کا علم نہ ہو اوسکی رغبت بھی نہیں ہوتی۔ علم میں جد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد خوبی کا انکشاف ہوتا ہے۔ پھر یہ رغبت بڑھکر محبت ہوجاتی ہے۔ محبت کے لیے انسان وہ ذرائع اختیار کرتا ہے جو حصول مدعا کو درکار ہیں

خدا وہ مطلوب ہے جسمیں جملہ خوبیوں کا اجتماع ہے ہر خوبی میں عدیم النظیر ہونے کا کمال ہے۔ خدا کی محبت کا لطف خواہ اون سے پوچھو جو اس مزہ کی وجہ سے بادشاہت چھوڑ کے فقیر ہوگئے یا اون سے دریافت کرو جو فقیری کی بدولت بادشاہت کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ پس جو دنیا کا عشق دنیا ہی کا چین و آرام چھڑاتا ہے، مگر عشق الٰہی کا مبتلا غم دنیا سے نجات پاتا ہے۔ راحت دوامی

کا مستحق ہو جاتا ہے۔ سہل الوصول اس قدر ہے کہ تمام دنیا کو اپنے اپنے مقام پر ممکن الوصول ہے۔ یہ خدا ہی کا عشق ہے جسمیں طالب اگر ایک قدم اٹھاتا ہے تو مطلوب اوسکی طرف دس قدم بڑھاتا ہے۔

چنانچہ خدانے اپنے فضل عمیم سے طالبان حق کیلئے طریقہ عبادت اور اصول معاملت میں اپنی محبت اور انسانیت کا کمال حاصل کرنیکے نفع کو ملحوظ رکھا ہے۔ انسانی حالت کے اندازے اور اوسکی ضرورت کی بنا پر جس قدر عمل فطرتاً ضروری تھا فرض کر دیا ہے۔ اسمیں وہ اعتدال اور خوبی ہے کہ نہ کسی کو گراں ہو سکتا ہے نہ کوئی عمل کے بعد مطلوبہ فائدے سے محروم ہو سکتا ہے۔ یہ خوبی ہوتے ہوئے بھی جو عمل کرے وہ ایسا ملزم ہے جو اپنا الزامی ثبوت خود مہیا کرتا ہے۔

عبادت اللہ سے ذاتی واسطہ پیدا کرنے کا عملی طریقہ ہے۔ ایسا واسطہ صفات آلہیہ کی آگاہی کا ذریعہ ہے۔ جب اس طرح پر اوصاف آلہیہ کا علم خاطر نشین ہو جاتا ہے۔ تو اہل دنیا کی فطرت کے موافق حجت ظاہری کی غرض سے امتحان صداقت کی ضرورت ہے۔ اور امتحان صداقت کے لئے صورت معاملاتی کی حاجت ہے۔

چنانچہ اللہ نے خود صورت معاملت کو ایسا دلچسپ بنایا۔ کہ انواع لطف و مسرت حاصل ہونے کا موقع ہاتھ آیا۔ پھر شوق دل آویز اور رنگ عاشقانہ میں عجیب و غریب حکمت سے اسی حسن معاملت کی ظاہری دلیل سے اپنا بنا لیا۔

اس طرح پر انسان کی پریشان کرنے والی فطرت علاج پذیر ہو گئی۔ یہ وہ عملی تعلیم ہے کہ حسن معاملت اور عبادت دونوں کا مقصود ایک رضائے آلہی کے واسطے سے اخلاق آلہی کی پیروی ہو جاتا ہے۔ اخلاق آلہی کے موافق عمل کرنا انسانیت کا کمال ہے۔

شریعت دو کسوٹیوں کا مجموعہ ہے۔ عبادت تو محبت الٰہی کی کسوٹی ہے اور حسن معاملت و آئین مروت پر قائم ہونا عبادت مقبول کی کسوٹی ہے۔ جو شخص دونوں پر پورا اترے کمال انسانی کا جامع ہے۔

جو عبادت حسن معاملت کے ساتھ نہ ہو۔ اس کے کمال پہ کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ جو حسنِ معاملت اور مروت عبادت کے ہمراہ نہ ہو اوس کی خوبی شہادت کی محتاج رہتی ہے۔

اس لئے جو عبادت ہے اور حسنِ معاملت نہیں ہے۔ یا حسن معاملت ہے اور عبادت نہیں ہے۔ تو دونوں کی خوبی قاعدہ کے رو سے ساقط الاعتبار ہے۔ جو اہرات کا قدر شناس اوس کے نفع سے دست کش نہیں ہوتا۔ نہ آگ کا ضرر سمجھنے والا اوس کو خوشنما پاکر پکڑتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی نقص کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

خواہ عبادت ہو یا معاملت جس قدر شرع میں فرض ہے۔ تعمیلی لحاظ سے سہل اور خوشگوار ہے۔ اور فائدہ مطلوبہ کے اعتبار پر تیر بہ ہدف۔ دشواری اوسی وقت تک ہے جب تک عمل کی ابتدا نہ کی جاوے۔ اس کے بعد بتدریج اسی طرز عمل کی رغبت غلبہ کے ساتھ اپنا رنگ جمالے گی۔ جس نے نماز ایسی سہل اور مفید عبادت میں قصور کیا اوسکو تو مذہبی کوچہ میں قدم رکھنے کا شرف ہی حاصل نہ ہوا۔ جس نے نماز سے ابتدا کی۔ اوس کو اسلامی خوبی کے علم سے آہستہ آہستہ توفیق خیر بھی ضرور ہوئی۔ خدا نے دنیا میں سب کچھ بے مانگے اور بلا استحقاق دیا ہے۔ مگر آخرت کی بہبودی کسی اور امتحانی

حالت پر تجویز کی ہے۔ اپنی افعالی صورت اور اخلاقی حالت کا حقیقت آشنا
بنا کر قوت عمل عطا کر کے اپنی خلافت کا اہل کر دیا ہے۔ تاکہ یہ اپنے
آقا کی افعالی صورت میں اوسکے اخلاق کا علم بردار بن کر تمام آفرینش میں حکومت کا مستحق ہو
یہ رشتۂ عبدیت مہمات شرع کی سرانجامی ملک خداوندی میں تصرف عام کی سند ہو۔ اپنی افعالی
اور اخلاقی شان سے اپنے آقا کی عظمت کو مادی صورت میں آشکار کرے۔ عافیت دنیا کے ہمراہ عقبےٰ
عافیت کا شکار کرے۔ یہ وہ لطف و کرم ہے جس کا بار احسان خواہ مخواہ گردن نیاز کو خم کر دیتا ہے
عبدیت کے ثبوت میں سب سے بڑا نشان نماز ہے۔ جس نے یہ نشان سرنگوں کر دیا وہ قیامت میں کس
ہمت پر کس عبدی علامت کے ساتھ حضور رب العزت میں قدم رکھنے کی جرأت کرے گا جس بنیاد پر
یہ قدرتی شے کی خوبیوں کا سلسلہ اخیر مشتبہ رہتا ہے اوسی سبب سے آئین شریعت کا ہر اصول بھی
خوبیوں کا لامتناہی سلسلہ ہے مگر عمل شرط ہے جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے

ہر آنکہ تخم بدی کشت چشم نیکی داشت ؛ دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

طریقت کا بیان

موجودات پر عمیق نظر ڈالنے سے ایک سلسلہ ناقص ترین سے شروع ہو کر اپنے سے کامل تر کی جانب درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے جسمیں ہر ناقص شے اپنے سے کامل تر کا مصرف اور محکوم ہے۔ جمادات نباتات کی غذا بنجاتے ہیں۔ نباتات حیوانات کے کام میں آتے ہیں اور انسان کو دونوں پر قدرت تصرف ہے۔

حیوانات تک اس سلسلہ کا مقصود قوت مادی کو تقویت دینا ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ حیوانات فہم کے باوجود بھی اپنے ہر مصرف طمع میں محض تن پروری کا خیال رکھتے ہیں۔ انسان تک پہونچتے ہی

یہ سلسلہ نیا رنگ اختیار کرتا ہے۔ ایک فہم تو انسان میں کامل حیوانی رنگ میں موجود ہے اور محض خود غرضانہ آزادی پیش نظر رکھتی ہے۔ دوسری فہم اور پائی جاتی ہے جو آئین مروت اور قوانین حقوق باہمی کی ساعی ہے۔ انسان کی امتیازی خصوصیت اسی فہم سے وابستہ ہے۔

ایسے اختلاف مقتضا کے ساتھ ہر فہم انسان کو اپنا معمول بنانا چاہتی ہے۔ چونکہ فطرت سراسر حکمت ہے۔ لہٰذا فطری ضرورت کا تقاضا فہم انسانی کے غلبہ کا سبب ہوتا ہے اور فہم حیوانی کو فہم انسانی کا کسی نہ کسی حد تک محکوم ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ اس طریقہ پر حیوانی فہم کو نفس کشی پر عمل کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ مجبور ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔

مگر فہم انسانی پر بھی فرض ہوتا ہے۔ کہ عوض نفس کشی کا مناسب تعین کسی ایسی تسکین بخش بنا پر کرے۔ جو کہ اس بندۂ غرض کو اپنا بندہ فرمان بنانیکے واسطے کافی ہو۔ خود غرض انسان اصولاً بہت نفع کی امید پر تھوڑا نقصان گوارا کرتا ہے۔ بڑی مصیبت سے بچنے کو تھوڑے رنج پر قناعت کرتا ہے۔ بلا کسی فائدہ کے یقینی امید کے حال کا نفع ترک نہیں کرتا۔ جب تک دلی رغبت کی وجہ نہ ہو کوئی کام نہیں کرتا مجبوری میں اس کا کام تردد طلب اور خراب ہوتا ہے۔

معاونت باہمی کا سلسلہ جملہ عجائبات انسانی کا باعث اور مہمات انسانی کا متکفل ہے۔ اس سلسلہ کی قابل اطمینان صورت قیام جب ہی قائم ہو سکتی ہے۔ جبکہ ہر ایک آدمی دوسرے کی خاطر سے نفس کشی کو تعین محل کے ساتھ حاضر و غائب۔ ظاہر و باطن اپنا فرض قرار دے۔ جو کام حاضر و ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ وہ بھی بلا رغبت طبعی بیگار کی طرح تردد طلب اور ناقص ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں انسانی عافیت اور طرز معاشرت فطرتی طریقہ پر حاضر و غائب ظاہر و باطن کسی ایسی وجہ کی محتاج ہے۔ جو نفس کشی کی صورت کو رغبت دلی کی شکل میں تبدیل کرنے کیواسطے کافی سبب ہو سکتی ہو۔ دنیا میں اس مدعا کا ذریعہ مذہب ہی نظر آتا ہے۔ اصول مذہب کی خوبی اور

کمال کے ساتھ اس مدعا کی خوبی اور کمال کا اظہار ہوتا ہے۔

مذہب فلسفہ کو صورت باطنی سے بڑا کمزور تعلق ہے مگر اسباب نفس پرستی سے بڑا قوی واسطہ ہے۔ اس لئے فطرت فلسفہ فطرت انسانی کے اس مدعا کے موافق نہیں ہے۔ اس صورت میں نہ تو مہمات انسانی کو نفس کشتی سے چارہ ہے۔ نہ نفس کشتی کو مذہب سے استغنا ہے۔

ایک مادہ کشف حقائق سے دو قسم کا فائدہ مرتب ہوتا ہے۔ فلسفیانہ صورت میں انسان تمام دنیا کے مفید اور چھپے ہوئے امور پر آگاہ ہوتا ہے اور مذہبی رنگ میں اون پوشیدہ اسباب پر مطلع ہوتا ہے جن کے ہوتے ہوئے ایسا فائدہ اوٹھانیکی قابل اطمینان قابلیت میسر ہو سکتی ہے۔

کسی شے کا کامل نفع حاصل ہونیکے لئے اوس کا کامل حقیقت فہم بھی ہونا ضروری ہے۔ انسان کی عقل اضافی ہی اوس کا سرمایہ انسانیت ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ فہم اضافی پر محققانہ نظر ڈالی جاوے۔

فہم حیوانی کی خصوصیت عام تجربہ میں کورانہ نفس پرستی ہے۔ یہ فہم سلسلہ تعاون کے قیود عاقلانہ سے مطلق نا آشنا ہے۔ مادی خلقت میں ایسی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ جو انسانی فہم اضافی کا سبب قرار دی جا سکتی ہو جس صفت کی نفی خود فعل مادیت سے ہو۔ وہ مادیت سے منسوب بھی نہیں ہو سکتی۔ ذات انسانی میں طریق حیوانی کی کورانہ نفس پرستی کا وجود کامل حیوانی رنگ میں نمایاں ہے۔ اور صورت عاقلانہ کے احکام نفس کشتی بھی جنکو مادیت سے کچھ واسطہ نہیں ہویدا ہیں۔ لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس صفت زائدہ کا سبب مادی نہیں ہے بلکہ دوسرا ہے۔ انسان کی فہم اضافی مزاج حیوانی کی ضد ہے۔ ایک شے سے دو متضاد خواص ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اسلئے صاف طریقہ پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فہم اضافی کسی مادی وجہ سے قائم نہیں ہے۔ مگر جب وہ وجود جو فہم اضافی کا سبب ہے۔ جس کے فعل کو ہم ایسی بے مثل شان کے ساتھ آشکار پاتے ہیں چشم ظاہر سے

پوشیدہ معلوم ہوتا ہے تو یہ نتیجہ نکل آتا ہے۔ کہ یہ جوہر مجرد ہے اور روح انسانی کہلانیکا مستحق ہے
انسان کی مادی خلقت اوسکی حیوانی فہم کا باعث ہے۔ اور فہم حیوانی میں دانشمندانہ
اصلاح۔ روح انسانی کا سبب ہے۔

اس طریقہ پر ناقص فدائے کامل کا سلسلہ جب انسان تک پہونچتا ہے تو شرف کی وجہ جدید
صورت اختیار کرتی ہے۔ اوسی کی ذات میں دو قسم کی فہم کا وجود پایا جاتا ہے ہر فہم کا سبب
جداگانہ ہے۔ ایک وجہ فہم کو دوسری وجہ فہم پر شرف ہے چنانچہ اوسی کی روحانیت اوسی کی
مادیت پر وجہ شرف ثابت ہوتی ہے۔ انسان کی عام حکومت اور کامل تصرف تمام مخلوق میں دیکھتے
ہوئے روح انسانی کا کمال اور مادیت کا نقص ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح انسانی کو ضرورت
پڑتی ہے کہ اپنی ہی فہم حیوانی کو اپنا محکوم رکھے۔

ہر مادہ کا مزاجی فعل اوس سے زائل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بقدر فہم مادی کے اثر کے خالص
روحانی رنگ محجوب رہتا ہے۔ ملائکہ خالص روحانی خلقت ہیں۔ نقص مادی سے بری ہیں۔ اسی
بنیاد پر ملائکہ کو انسان پر وجہ شرف حاصل ہے۔

جب انسان اپنی روحانی حالت اور مادی کیفیت میں امتیاز حاصل کرلیتا ہے، تو خلقت
ملکوتی سمجھ سکتا ہے۔ اور جب نفس مادی کو جنگ مقابلہ میں شکست دیکر روحانی اقتدار قائم کرتا ہے
تو یہ اعتبار وجہ شرف اوسکو ملائکہ پر وہ ترجیح ہوتی ہے جو جنگی فوج کو نظامی فوج پر ہوا کرتی ہے۔ اس
وجہ کے ساتھ سلسلہ کمال انسان کی جانب دوبارہ منتقل ہوجاتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ ایسے وجوہات
فضیلت کے اعتبار پر باہم انسانوں میں پھیلنا شروع ہوجاتا ہے۔

مادی کائنات پر انسان اپنے شرف روحانی کے بنیاد پر متصرف ہے۔ اگر انسانی تصرف پر امن
طریقہ پر قائم ہو تو جو کچھ دنیا میں ہے سب انسانی فائدہ کیواسطے کارآمد ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہر شئے

تکلیف اور بے چینی کی صورت ہے۔ امن جب قائم ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہر صورت عمل کیواسطے کسی مناسب محل کا تعین ہو۔ اور ہر معینہ صورت پر کاربند رہنے کیلئے عملدرآمد کی کافی وجہ ظاہر و باطن۔ حاضر و غائب موجود ہو۔

مادی فہم ظاہر اسباب سے مطمئن ہو جاتی ہے۔ مگر باطنی اطمینان کیواسطے وجوہات پنہانی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ ہستی ہو سکتی ہے جس کا وجود عقل کے نزدیک ثابت ہو اور نگاہ سے پوشیدہ ہو۔ جب اسباب امن دونوں صورتوں میں جمع ہوں تب کامل امن کی صورت قائم ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔ جب تک انسان ایسا وجود حاضر و غائب۔ ظاہر و باطن نگراں نہ سمجھے۔ اور اپنے کو کسی معینہ قاعدہ کے ساتھ ایسے وجود کی طرف سے ذمہ دار تصور نہ کرے اوسکی باطنی صورت علاج پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک یہ صورت خراب ہے ظاہری نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسی انسانی سرشت دیکھتے ہوئے بھی ایسے وجود کو تسلیم کرنا فطرت انسانی کے ناموافق سمجھا جاویگا۔ جس کے بغیر تمام کائنات بجائے وجہ آسایش ہونیکے رنج و مصیبت کی وجہ ہو جاتی ہے۔ ایسے وجود کے ساتھ ہمکو ایسا قانون دنیا میں مذہب کے ذریعہ سے پہونچتا ہے۔ مذہب میں بھی وجہ فضیلت قائم ہے اور دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ ایک اصولی فضیلت ہے اور دوسری عملی فضیلت ہے۔

اصولی فضیلت:۔ ایسے قانون پر عمل کرنا جو فطرت انسانی کے لحاظ سے مفید تر ہو اور خدا کی صفات زیادہ قابل اطمینان طریقہ سے ظاہر کرتا ہو۔

عملی فضیلت:۔ ایسے قانون پر ظاہر و باطن۔ حاضر و غائب بہ رغبت تام عامل ہونا۔

جب تک عملی فضیلت نہ قائم ہو۔ اصولی فضیلت کا نفع مرتب نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم وہ بیشمار نفع پہلے ظاہر کر چکے ہیں جو اسلام کو اپنے اصول معینہ پر عمل کرنیکی حالت میں اجماعی طریقہ پر حاصل

ہوا نہ دنیا نے ایسا اصولی فائدہ دیکھا۔ نہ وہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ بطور خلاصہ کے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جبکہ اخلاق اسلامی کی تسخیر عام جیساکہ قدرتی قاعدہ ہے۔ مخالفت دنیا سے نہ دیکھی گئی۔ تو اون کی طرف سے اسلامی اخلاق اور صداقت کی جانچ کے لئے میدان رزم تجویز ہوا۔ کچھ ہی عرصہ میں دنیا کو اسلامی صداقت کا لوہا ماننا پڑا۔ جو کام برسوں میں کیا گیا۔ وہ صدیوں تک غلبہ کے ساتھ قائم رہا۔ اور اب بھی باقی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا اصول اسلامی پر عمل رہا تمام دنیا میں اون کا دخل رہا جب سے اس مرکز ترقی سے جدا ہوئے۔ دنیا سے اون کے اعزاز اور افتخار کی بیدخلی جاری ہو گئی۔

چنانچہ اصولی اور عملی فضیلت کا کمال مع جمیع اقسام شرف کمالی تمام مخلوقات میں ذات مبارک سرور عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور آپ کی ذات اقدس کا خلاصہ عالم ہونا پایا جاتا ہے۔ آپ کی ذات کے مادی اور روحانی کمالات کے بغیر دونوں کی تکمیل کا باقی رہ جانا پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے۔ جب حضور اقدس نے خالق کل کی صفات کو پہچانا اور مخلوق کی خیر طلبی میں اوسکی رضا کو جانا۔ تو کائنات کی ساری کائنات اس غرض پر نثار کر ڈالی آپ کی تعلقاتی زندگی نفس پرستی کے خیال سے پاک ہے ہر تعلق میں دوسروں کی ہدایتی غرض اور رضائے الٰہی کا شمول ہے۔

جب تک اپنی ہی فطرتی ضروریات اور خالق کے اوصاف صحیحہ کی خبر نہ ہو۔ اوسکی رضا کی قدر نہیں ہوسکتی ہے یہ غرض حاصل ہونے کا ذریعہ شریعت کا علم یا دوسرے لفظوں میں آپ کا عمل ہے۔

المختصر انسان کی عقل اضافی جوہر مجرد کی آمیزش سے ہے یہی جوہر حقیقت فہم ہے اور روح

انسانی کہلاتا ہے۔ جب انسان وہ احکام دریافت کرکے عمل کرتا ہے جو حیوانی مزاج اور روحانی مطالبات کے لحاظ سے کامل اعتدال پر قائم کئے گئے ہیں۔ تو اوس پر روحانیات کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی اصل انسانیت ہے۔ جو شخص جس قدر اس حقیقت سے ناآشنا ہے اوسی قدر کمال انسانیت سے بے بہرہ ہے۔

آئین مروت اور حق رسی کا کمال صفات الٰہیہ میں پایا جاتا ہے۔ روح انسانی اسی کمال کی متلاشی ہے۔ اوس لئے یہ ذات باری تعالیٰ پر فریفتہ ہے حیوانی مزاج بغیر پس وپیش کے خودغرضانہ آزادی کا خواہاں ہے اس لئے روح انسانی حیوانی قسم کے مادی تعلق سے جریدہ ہے۔ جب خلقت انسانی کی ایسی فطرت کا انکشاف ہو۔ تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ روح انسانی اور مزاج مادی کی آمیزش حکمت آمیز غرض رکھتی ہے۔ اور یہ غرض حق و باطل میں تمیز کرکے خدا واسطے باطل کو ترک کرنا ہے۔ چنانچہ علم تصوف اون راز و نیاز کا نام ہے جو ناروا مطالبات نفس انسانی سے گریز کرنے اور خدا سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش میں روح انسانی پر عاشقانہ رنگ میں گذرتے ہیں۔ جنکو وہی جان سکتا ہے جنپر گذریں۔

پرسید کسے کہ عاشقی چیست　　گفتا کہ چو من شوی بدانی

ہم اپنی مجبوری اور معذوری دیکھتے ہیں عین مایوسانہ اضطراب میں شان مسبب الاسبابی کیسا عقدہ کشائی پاتے ہیں۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ہر کام کا ایک سبب ہے۔ مگر اس بات کے قائل نہیں کہ سبب کی باگ عقل کے ہاتھ میں ہے ؎

میان باغ گل سرخ ہائے ہو دارد　　کہ بو کنید دہان مرا چہ بو دارد

سبب کی وہ عاقلانہ صوابدید جسکی بدولت کائنات درہم برہم ہونے سے محفوظ ہے

جسکے بگاڑ میں بناؤ کی حکمت منودار ہے۔ فطرت کے فعل اضطراری اور اتفاقیہ سے منسوب نہیں ہوسکتی ہے۔

جس طرح ہماری روح پوشیدہ ہے۔ اوس کا عاقلانہ فعل ہمارے کاروبار کا مصلح ہے۔ اوسی طرح سمکو سمجھنا چاہیئے۔ کہ سبب کے پردہ میں وہ عقل پوشیدہ ہے جس کی تدبیر عام دنیا کی اصلاح میں مصروف ہے۔

ہم سیاہی کا ایک نقطہ دیکھکر یقین نہیں کرتے کہ بغیر سبب کے موجود ہوگیا ہے۔ پھر ہم کائنات کو ایسے نازک نظم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کیونکر تسلیم کرسکتے ہیں کہ یہ بغیر بنانے والے کے بنگئی ہے اور بغیر قائم رکھنے والے کے قائم ہے۔ ہوا کے چند سیکنڈ کی بدنظمی پانی کا ایک طوفان جملہ حیوانات کے فنا کردینے کیلئے کافی ہے ؎

سبحان اللہ حیرتے دارم سخت — زاں دیدہ کہ ذرہ دید و آفتاب ندید

ہم نے اپنے مادہ حقیقت شناسی سے کام لیتے ہوئے بہت سی اشیار کو بگاڑ کر کوئی مفید نتیجہ نکالا ہے۔ اس بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو کچھ نقصان کی صورت ہمارے نظر میں آرہی ہے وہ خالق کل کی نگاہ میں کسی بہتر وجہ کی بنا پر ہوسکتی ہے جب ایسے اسباب پیش نظر ہوں تو خالق کو کیونکر نہ پہچانیں۔ اور کیوں اپنا عقدہ کشا تصور نہ کریں۔

یہ ممکن ہے کہ کسی مخلوق میں کمال مخلوقاتی کے جملہ صفات جمع ہوں۔ مگر اوسمیں بھی وہ عجز ہونا ضروری ہے۔ جو خلقت کا لازمہ ہے۔ اس طریقہ پر ناقص خدائے کامل کا سلسلہ تمام مخلوقات کے مقابلہ میں ایسے وجود کو چاہتا ہے۔ جو عجز سے مبرا اور صفت قدرت کامل سے مع جمیع دیگر صفات کمال کے آراستہ ہو۔ اور تمام نقصانات سے پاک ہو یہی ذات کامل ترین ہوسکتی ہے۔ اور اس سلسلہ کا اختتام رفتار ترقی کے فطرتی لحاظ سے ایسے ہی کامل ترین ذات پر ہوتا ہے۔ اس

صورت میں مخلوقاتی نظم خالق تک رسائی کا فطرتی نظام معلوم ہوتا ہے اور رسول اکرم کا اکمل اور اعلیٰ صفاتی کمال اس رسائی کا کامل ترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

لولاک لما خلقت الافلاک

مادیات کا علم چشم ظاہر کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اور ان خواص سے تعلق رکھتا ہے جو مادی اشیاء میں نہفتہ ہیں۔ جب کوئی موافق نتیجہ اس طریقہ پر برآمد ہوتا ہے تو مادی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وہ میدان ہے جسمیں اہل فلسفہ کی ناتمام تگ و دو ایک دوسرے سے اختلافی صورت میں اپنے نقص اور کمزوری کا ثبوت جمع کر رہی ہے۔

روحانی علم کا ادراک چشم باطن سے ہوتا ہے۔ یہ کیفی حالت ہے گذرنے پر معلوم ہو سکتی ہے بیان میں نہیں آتی۔ البتہ ایسی کیفیات کا اثر جو ظاہری حالت پر پڑا کرتا ہے قابل احساس ہوتا ہے۔ اوسی کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ روح انسانی حق پرست اور خلیق ہے۔ حق و ناحق کے تنازعہ کے موقع پر ترک ناروا کا تقاضا روح انسانی کا فعل ہے۔ جو کچھ ملامت باطنی اور دلی بدمزگی کا اثر ناحق رویہ کی حالت میں انسانی تجربہ میں آیا کرتا ہے بروح انسانی کے سبب سے ہے۔

خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی حالت کا اثر جو لطافت ظاہری پر پڑا بے مثل اندرونی پاکیزگی اور نورانیت کی حیرت انگیز بیرونی شہادت ہے جسکی مثال پیش کرتے ہوئے تاریخ خاموش ہے اور زمانہ اوسکو دیکھکر انگشت بدنداں ہے۔ جس نے کثافت انسانی کو جامۂ نورانی پہنایا۔ مادی فطرتی اسباب منافرت کو وجوہات رغبت بنایا۔

حضور کے سایہ نہ تھا۔ روبرو اور پس پشت یکساں نظر آتا تھا۔ حضور کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھی فضلہ زمین نگل جاتی تھی، اور زمین سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ پسینہ خوشبودار تھا۔ حضور کا رہگذر راہ کی خوشبو سے شناخت میں آجاتا تھا۔ لعاب دہن اور دم سے ہر قسم کے مریض شفا پاتے تھے۔

اس صورت میں ثابت ہوتا ہے کہ روح انسانی کو مادیت سے اوسی قدر تعلق ہے جتنا کہ واجب طور پر اوس کا حق معلوم ہوتا ہے۔ یہ حق رسی کی ضرورت کا تقاضا ہے۔ نہ طبیعت اور محبت دلی کا منشا۔ چونکہ روح انسانی مادیت سے وابستہ ہے۔ اسلئے یہ اقتضائے طبیعت مادیت کو بھی حق پرستی پر قائم کرنا چاہتی ہے۔ ان وجوہ پر مادی لطف روح انسانی کی فطرتی طلب کا اصلی مقصود ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ جو کچھ تعلق ہے حاجتمندانہ طریق پر ہے۔ جہاں مادی تعلق اس حد سے متجاوز ہے وہاں روحانی حالت پر مادی حجاب پڑا ہوا ہے انسانی روح تمام مخلوقات میں اپنی قوت مدرکہ کے سبب سے ممتاز ہے۔ اس لئے نہ توکسی ایسی شئے کو ترک کرسکتی ہے جو ناقص نہ ہو۔ نہ کسی ایسی شئے کو اختیار کر سکتی ہے جو کمال سے خالی ہو۔

جبکہ ہم روح انسانی کا تعلق عالم مادی سے محض ضابطہ کا پاتے ہیں تو اسکی تلاش ہوتی ہے کہ روح انسانی کا خاص ربط کہاں ہے؟ اور کیوں؟ یہ اوس موقع پر معلوم ہو سکتا ہے جبکہ مادی حجاب اُٹھ چکا ہو۔ روح کو اپنی ملکوتی خلقت پر آگاہی ہو اور وہ باقتضاء ہمجنسی اپنی اصل عالم ارواح کی طرف میلان رکھتی ہو عالم اجسام کا رنج و مشقت گوارا نہو۔ ملائکہ کی طرح صفت لطف و نور سے اپنی غذا کی طالب ہو۔ جسم مادی روحانی حجاب ہے۔ اس لئے ایسا کامل لطف اوسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ روح کو جسم سے مفارقت ہو۔ مگر عالم مادی میں ایسا انقلاب آخری ہوتا ہے۔ رحم مادر میں انسان نے بہت سے انقلاب صورت دیکھے۔ ہر انقلاب میں کچھ ترقی کی۔ دنیا میں آنا انقلابی ترقی کی عجیب مثال ہے ایسے انقلابی تجربہ اور عالم روحانی کے مزے کو معلوم کرکے موت حصول مدعا کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

یہ سوال ہو سکتا ہے؟ کہ اس صورت میں مار ڈالنا کار ثواب سمجھنا چاہیئے؟ اور قید جسمانی میں روح کو رکھنا لاحاصل تکلیف دینا ہے؟ کیونکہ یہ بھی ملائکہ کی طرح بے تردد چین کر سکتی تھی

خالق کے ہر کام میں مصلحت ہے اور مصلحت کا نفع مخلوق سے متعلق ہے۔ دنیا میں جو وجہ رنج و مشقت ہے وہی عقبیٰ میں موجب شرف و عزت ہے۔ جیسی وہ عزت جو قوت بازو سے پیدا کی جاتی ہے

قابل قدر اور باعث مسرت ہوتی ہے۔ ایسی وہ نہیں ہوتی جو میراث کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ کیا نظامی فوج بادشاہ کی نظر میں ایسی وقعت حاصل کرتی ہے جو جنگی فوج میدان کارزار میں دشمن کے مقابلہ پر جان کی بازی لگاکر فتح کے بعد حاصل کرسکتی ہے؟ ایسے انعام کی عزت خود اپنا قلب نہیں کرتا ہے جس کا حاصل ہونا کسی کارنمایاں کے صلہ میں نہ ہو۔ روح انسانی کی حالت پر اس قدر روشنی ڈالنے کے بعد کلام پاک سے اپنے بحث پر تائیدی آیت پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ سمجھانے کے ساتھ برکت کا بھی اضافہ ہوجائے۔

آیت شریف - وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جنہوں نے ہماری راہ میں محنت کی ہم سمجھا دیں گے اونکو اپنی راہیں

طرز بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ طریق مجاہدہ معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ مجاہدہ کے طریقہ معلوم میں خداواسطے نہ ہونے کا امکان ہے، تیسرے اگر مجاہدہ خداواسطے ہو تو اون راہوں کا انکشاف ہوسکتا ہے جو آیت شریف کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ان راہوں کا علم مشروط بہ مجاہدہ ہے لہذا اون کا پوشیدہ ہونا ظاہر شریعت سے جدا ہونا پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے۔

مجاہدہ معلوم تو عمل بالشریعت کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا مگر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ "ایسے عمل کے خداواسطے ہونیکی کیا صورت ہے؟

یہ دو صورتیں ہیں۔ ایک تو شریعت میں نفس مادی کی مناسب رعایت میں اوس کے بعض مطالبات کو روا رکھا ہے۔ دوسرے انسان نعمائے بہشت کی طمع کی نیت سے بھی عمل کیا کرتا ہے جب نہ دنیا کی خواہش ہو نہ بہشت کی تمنا بلکہ عبدیت کے رشتہ سے معبود کی رضا مدعا ہو۔ تو جو جہد اس خیال کے ہمراہ ہوگا۔ خداواسطے قصور ہوسکتا ہے۔ عمل بالشریعت کا ایسا طریق اون راہوں کے انکشاف کا ذریعہ ہے جن کا ذکر اس آیت شریف میں کیا گیا ہے۔ اس صورت میں سمجھنے کی استعداد کا

ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے ۔مگر سمجھانے کا دعویٰ وہ بھی نہیں کر سکتا جو ان راہوں کو معلوم کر چکا ہے
لہٰذا اس خیال خام کے ساتھ عمل شریعت سے یہ نتیجہ خاص بھی حاصل ہو سکتا ہے

جس گروہ کا ذکر کلام پاک میں ایسی خصوصیت سے ہو۔ اوس کا وجود نہ ہونا تو ممکن نہیں ہے اور جب ہم آثار سے خدا کو پہچان سکتے ہیں تو اس گروہ کا معلوم کرنا بھی ہمکو دشوار نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس وہ مجموعہ ہے جو اس گروہ نے ہدایتی اور تعلیمی غرض سے مرتب کیا ہے۔ جو سوائے راز نہفتہ کے ہر قابل اظہار حالت کو کما حقہٗ ظاہر کرتا ہے۔

اکثر سنا گیا ہے کہ منصور نے راز فاش کر دیا اسلئے سولی پر چڑھائے گئے۔ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ منصور کے وقت سے راز کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے۔ آیت شریف کے مفہوم سے یہ کہنا غلط ثابت ہوتا ہے۔ جسکو خدا نے مجاہدہ کی شرط سے کیفی حالت کے پردہ میں چھپایا اوس کو کون ظاہر کر سکتا ہے

نفسی مطالبات تو خوش خوش انجام ہوتے ہیں، مگر رغبت طبیعت کے خلاف عمل میں جہد و محنت درکار ہوتی ہے۔ مصلحت شریعت نے خوشنودی نفس کو مناسب موقعوں پر روا رکھا ہے۔ جو کچھ اس طرح دل خوش کرنے کو کیا جاتا ہے۔ نفس ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ شرعی بازپرس سے مستثنیٰ ہے۔

ایک واسطہ محبت کا بھی ہوتا ہے جسمیں محبوب کی رضا کو اپنی خواہشات پر ترجیح دینا ہوتا ہے اپنی خواہش فنا ہو کر محبوب کی رضا کی قائم مقام ہو جاتی ہے جو لذت اس طرح پر حاصل ہو کسی شے میں پائی نہیں جاتی ہے۔ مباحات شرعی میں نفس مادی کی مناسبت رعایت ہے۔ مگر طریقہ محبت میں اس رعایت سے یہی دست برداری کی حاجت ہے۔ اس طریقہ پر مباحات شرعی بھی طریقت میں سلسلہ عشق الٰہی کے جہد کی ایک قسم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو جہد واسطہ محبت کے ساتھ کیا جاتا ہے اوسمیں دوسرے

کی رضا کو اپنا فرض مقدم سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت شریف میں اللہ کی راہوں کے منکشف ہونے کے واسطے عشق الٰہی کا ایسا ہی واسطہ مراد لیا گیا ہے کہ مباحات شرعی کا حد بھی اللہ کے ذاتی تعلق سے خالی نہ رہے رباعی خواجہ میر دردؒ

خود کو ایسا مٹا کہ تو نہ رہے ۔ تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے
ہو میں ایسا وصال پیدا کر ۔ کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

اس طریقہ پر نفس کے واسطے کی فنا اور اللہ کے واسطے کی بقا لازم آتی ہے۔ اگر لذت دنیا اور آخرت مقصود ہے تو شریعت کافی ہے۔ مگر اللہ کی خاص اور پوشیدہ راہیں محض عشق الٰہی کے ذریعہ سے دریافت ہو سکتی ہیں ؎

ہر علم کہ در مدرسہ حاصل گردد ۔ کارِ دگر ست و عشق کار دگر ست
ترکِ دنیا ہست سنت مصطفیٰ ۔ عاشقاں کردند ایں سنت روا ۔ مولانا رومؒ

چونکہ اہل تصوف کا مقصود محض خدا ہوتا ہے۔ اس لئے اون کو شان دنیوی سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر ہر قسم کے دنیوی تکلف کی کمی اون کی صورت میں کھپ سکتی ہے۔ مگر ہر طرح کی عزت بھی اون کے رتبہ عالی کے شایاں ہوتی ہے۔ اس لئے ہر قسم کا تکلف بھی اون کو زیبا ہوتا ہے۔ ہر شخص اون کی دعا کو حل مشکلات کا ذریعہ تصور کرتا ہے اور اون کی حالت کو راز نہفتہ سمجھتا ہے۔ اس لئے عیب جوئی میں خوف کرتا ہے۔ اہل غرض ہی اون کے خدمتی ہوتے ہیں غرض کے وقت صاحب عقل بھی دیوانے ہو جاتے ہیں۔ مستجاب الدعواتی کا انحصار اللہ کی روحانی نسبت پر ہے۔ وہ پوشیدہ صفت ہے۔ یہ ایسے اسباب ہیں جن کے ہوتے ہوئے ریاکار کو مزید سامان ریاکاری کی ضرورت حصول مدعا کی غرض سے باقی نہیں رہتی۔ شریعت کی کسوٹی ریا کی طمع کاری کھل جانیکا ذریعہ ہے۔ اس زمانہ میں نہ تعزیر شرعی کا اندیشہ ہے۔ نہ کسی تحقیر کا خطرہ ہے۔ جہل و طمع کی کثرت ہے۔ اس لئے ریاکار فرقہ

زیادہ ہوگیا ہے۔ جس طرح اخلاق آیہ کی ہر پاکیزہ صورت کی توقع اہل تصوف کے عمل میں ہوتی تھی موجودہ حالت میں ہر ایک رذیلہ مثال بھی اس فرقہ کے ریاکار گروہ سے دستیاب ہوسکتی ہے ؎ مولانا رومؒ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   تا بہ ہر دستے نباید داد دست

علم شریعت اس مرض کا علاج ہے۔ اس لئے ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے رسول کا ہر فعل شریعت کا حکم رکھتا ہے اس لئے اتباع رسول کا دیکھنا معیار صداقت کی آزمایش کا کام دیگا ہے

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے) کہدو کہ اگر تم اللہ کو محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تمکو محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔ ارشاد الٰہی کے موافق ظاہر ہوتا ہے کہ ہر امر میں حضور کا اتباع وجہ محبوبیت الٰہی اور آمرزش گناہان کا سبب ہے۔ عام مقبولیت الٰہی کی ایسی خاص سند سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کے جملہ عبادات اور معاملات مرضیات مولیٰ اور اخلاق فاضلہ کی تفسیر ہیں۔ اور ہدایتی نظر سے دیکھا جاوے تو اللہ کے اخلاق پسندیدہ کا عملی نمونہ ہیں۔ اس صورت میں حضور کی روش ہر امر میں کھرا کھوٹا پرکھنے کی معیار ہوسکتی ہے۔ حضور کا اتباع دیکھنے میں صداقت کی جانچ ہی نہیں ہوسکتی بلکہ مدعی کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ ؎ سعدی صاحبؒ

محال ست سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند   برفتند و بسیار سرگشتہ اند

اس ہدایتی دائرہ میں سب کچھ داخل ہے۔ اس آفتاب ہدایت کے ہوتے ہوئے اگر ہم اپنی رائے کی روشنی سے کام لیں۔ تو وہی زحمت اٹھانا ہوگی جو روز روشن چھوڑ کر اندھیری رات میں سفر سے ہوا کرتی ہے۔ کسی معاملہ میں اپنی رائے پر عمل کرنے کے بجائے آقائے نامدار کا ارشاد عالی تلاش کرکے عمل کرنا ہمیشہ سے اچھا کارآمد اصول ہے۔

محبت وصل اور اتحاد چاہتی ہے۔ جب اللہ پاک نے حضور کا ہر فعل ایسا پسند فرمایا کہ اوس کا اتباع ذات باری کی محبت کا ذریعہ اور وجہ مغفرت قرار پایا۔ تو بڑے دلچسپ پیرایہ میں حضور کے طریق عمل اور اللہ کی رضا میں اتحاد کلی کا صلائے عام ہوگیا۔ اب جو قدم اصول کی پیروی میں اُٹھایا جاویگا۔ اس اتحاد کی یادگار ہوگا۔

رضا کی موافقت دلی حالت کا ثبوت ہے۔ اس لئے حضور کے معمولات سے رضائے آلہی کا مطلب ظاہری صورت میں عیاں ہوکر حضور کے علوشان کو ثابت کرتا ہے۔

یہ مفید نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ہم حضور کے عبادات اور معاملات سے جس قدر قربت حاصل کرلیں۔ وہی نسبت ہمکو اللہ کی قربت میں تصور کی جائیگی۔ جب تک یہ ظاہری نشان نہ ہوگا۔ ہماری باطنی خوبی کا دعوی قابل اطمینان نہ ہوگا۔ یہ وہ آئینہ ہے جسمیں اپنی برائی باطنی شکل اپنی اصلی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ چونکہ بعض صورتوں میں ظاہر و باطن میں ناموافقت ہوسکتی ہے۔ اور عوام فعل سنت کو اسکے مناسب محل پر سمجھ نہیں سکتے ہیں اس لئے اس اصول میں خواص کی امداد بغیر غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ جس نے اس موقع پر عقل اور احتیاط سے کام لیا۔ وہ مراد کو پہونچا۔

اہل تصوف میں بعض تو وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ جو بذریعہ اسمار صفاتی یاد آلہی کرتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو رضائے آلہی کے خیال سے خدمت مخلوق میں مشغولیت رکھتے ہیں۔ ہر ایک کی حالت اور فرق کو سعدی صاحب نے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ۔۔۔ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

شعر مذکور کے مطلب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسبیح و سجادہ اور دلق طریقت سے خارج ہیں طریقت کی تعریف پہلے مصرعہ میں مخلوق کی خدمت ظاہر کی گئی ہے۔ شعر ہدایتی غرض رکھتا ہے۔ تاکہ معلوم

ہوجاوے کہ وہ صورت جس میں تسبیح و سجادہ اور دلق شامل ہیں طریقت نہیں ہے بلکہ ایسی سیرت خوش جسکی تائید خدمتِ خلق کی رغبت عملی سے ظاہر ہو داخل طریقت سمجھی جاتی ہے۔

خدمت خلوق اگر شائبۂ نفسی سے مبرا ہے۔ تو اخلاق آلہی کے مطابق ہے۔ اور خدا واسطے ہے۔ اسی کو باطن شریعت کہہ سکتے ہیں۔ تسبیح اور سجادہ وغیرہ کو شریعت کی صورت ظاہر سے تعلق ہے۔ پوست اور مغز میں بہت فرق ہوتا ہے۔

شریعت کی صورت ظاہر کو طریقت سے جدا کر دیا ہے؟ خدمتِ مخلوق کو طریقت ظاہر کیا ہے؟ اور خدمت مخلوق کی کوئی تشریح نہیں کی؟ لہذا اس شعر کے مضمون سے ہر جاہل مسلمان اور کافر جو انسانی فائدہ میں کوشاں ہوں اہل طریقت کی تعریف میں آسکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو نہ ہونیکی کیا وجہ ہے؟

شعر کے الفاظ ظاہری پر ایسا اعتراض ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ اعتراض کسی ایسے شخص پر ہوتا جسکی بابت یہ تحقیق نہ ہوسکتا کہ خدمت خلق کے وہ کیا معنی سمجھتا ہے۔ تو جواب میں دقت پڑجاتی۔ مگر سعدی صاحبؒ پر ایسا اعتراض طریقہ خدمت کے حقیقت آشنا ہونیکے کامل سبق پر آگاہی کا سبب ہے۔ چنانچہ سعدی صاحب کا دوسرا شعر طریقہ خدمت کی بابتہ ایسے مفید پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ جس کا معلوم ہونا خدمت میں مصروف ہونے سے پہلے نہایت ضروری ہے ؎

خداترس را بر رعیت گمار . کہ معمار ملک ست پرہیزگار

اس شعر میں سعدی صاحبؒ بیان کرتے ہیں۔ کہ خداترسی اور پرہیزگاری کی ضرورت خدمت مخلوق میں اوس خدمت سے مشابہ ہے۔ جو معمار سے اصلاح اور قیام عمارت کیواسطے درکار ہوتی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو عمارت خدمت معماری کی محتاج ہے اس کے بجائے

ایسے شخص کی خدمت جو سماری نہیں جانتا کیا کارآمد ہوسکتی ہے۔ اس شعر سے اہل کی خدمت کا نفع اور نااہل کی خدمت کے ضرر کا اندازہ ہوتا ہے۔

جو حالت دل پسند کرلے گا۔ اوسی کا محکوم ہوکر رہے گا۔ آدمی کی صورت اوسکی دلی کیفیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ جب کسی رنگ کا تسلط دل پر ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے صورت کو جو موجودہ خیال کے مطابق تبدیل کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ رغبت کچھ ترقی کرجاتی ہے تو صورت کی تبدیلی شاہی وردی کی طرح باطنی حکومت کی ظاہری علامت ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد اصولی موافقت کا خیال قائم ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی مانع پیش نہ آیا تو سیرت پر اثر پڑتا ہے۔ اور بہ تدریج ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اوس پر وہ احوال گذرنا شروع ہوں۔ جو اوس شخص کی کیفیت مزاجی کے شایان حال ہوتے ہیں۔ جس کی محبت کو دل نے قبول کرکے رشتہ یک جہتی قائم کیا ہے۔ آخر آخر اس شعر کا مصداق ہوجاتا ہے۔ امیر خسروؒ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ سب کسبی امر ہے۔ انسانی حالت میں کسب کو بڑا دخل ہے۔ کسب حالت کا سب سے بڑا با اثر ذریعہ صحبت ہے۔ بقول مولانا رومؒ

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

اس وقت دل کا مقصود وہی ہوجاتا ہے جو اوس کا ہو جس کا کہ وہ ہوچکا ہے۔

جب تک علمی آگاہی اور عملی تجربہ کے بعد خاص لگاؤ نہ پیدا ہو کچھ فتور تو غلط فہمی کی وجہ سے اور کچھ رغبت کامل نہ ہونیکی بنیاد پر ہوا کرتا ہے۔ مذکورہ صفات کے بغیر خدمت

مخلوق میں کسی نفع کی امید نہیں ہوتی بے تعلق اور ناواقف کی خدمت ایسی ہے جیسے گھوڑے اور سوار کی مثل۔ سوار منزل پر جانا چاہتا ہے۔ اور گھوڑا گھر کی طرف جاتا ہے۔ جو لوگ دینی خدمت کریں اون کی مقدم ضرورت مذہب کا نبض شناس ہونا ہے تشخیص کامل کے لیے محض ضروریات دین اون کا مقصود حیات ہوجانا بھی لازمی ہے اہل خدمت کی کم سے کم قابلیت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ دین کو دنیا پر ترجیح دینے میں کسی تکلیف نفسی کا احساس نہ کرے۔ حافظ صاحبؒ

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد — ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست

تا سیہ روئے شود ہر کہ در و غش باشد — خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں

باقی لوگوں کے واسطے اہل خدمت کا ہدایتی دستور العمل واجب التعمیل ہے ان میں وہ لوگ اچھے تصور ہوسکتے ہیں۔ جن کا تقلیدی شعار بڑھا ہوا پایا جاوے سرمدؒ

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

ہم صحبتی مزاجی ہم رنگی ہونے کا بڑا زود اثر طریقہ ہے۔ عام طریقہ تو یہی ہے کہ حسب مزاج کا آدمی ہو۔ ویسا ہی ہم صحبت تلاش کر لیتا ہے۔ مگر کبھی نیک سرشت ناتجربہ کار بدصحبت میں وہ کسب کرتا ہے۔ جو اوس کو دنیا و آخرت میں مضر ہے۔ اور وہ کھو بیٹھتا ہے جو اوس کے والدین نے محنت سے کمایا تھا۔ اور اوسکی ذات میں امانتاً محفوظ تھا حدیث شریف:۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ۔ لڑکا اپنے باپ کا ایک راز ہوتا ہے۔

اسلام نے طرز تعلیم کا یہ فائدہ بھی نظر انداز نہیں کیا۔ جس طرح شریعت کا اصولی علم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ اسناد کے ذریعہ سے چلا آتا ہے۔ اوسی

طرح کیفیت مزاجی اور روش اخلاقی کا عملی کسب بھی بذریعہ صحبت بزرگان باصفا حضور کے وقت سے سلسلہ وار پایا جاتا ہے۔ جہاں بہائم کے لئے خواہش پرستی باعث مسرت ہے۔ وہاں انسان کو نفس کشی میں راحت ہے۔ بہائم کبھی اور کسی موقع پر مدعا برآری سے ایسے خوش نہیں ہوتے۔ جیسے انسان مناسب محل پر خلاف نفس عمل کرنے میں شاداں اور فرحاں ہوتے ہیں۔ محبت کی چاشنی اور نتیجہ پابندہ کے یقین سے اس رکاوٹ نفس میں ایسی فرحت انگیز روحانی کشائیش ہوتی ہے جو کسی حیوان یا حیوان منش کے وہم وخیال میں نہیں گذرتی۔ وہ لطف جو بہائم صفت انسان اور بہائم میں مشترک ہے۔ روح حیوانی سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر یہ مزہ خاص روح انسانی کا حصہ ہے۔ ع مولانا رومؒ

عاشقاں را درد و غم حلوا بود

یہی صورت عمل تجرد کی زندگی ہے۔ اس طریق زندگی کے فوائد راز مذہبی کی صورت رکھتے ہیں۔ ان کا کامل انکشاف توعمل کے بعد ہوسکتا ہے مگر ظاہر اسباب سے عقل انسانی کو انکا کارآمد ہونا تسلیم ہوجاتا ہے۔

انسانی اور حیوانی طرز عمل میں صفت تجرد پسندی ہی وجہ تفریق ہے جس نے وہ فوائد حاصل نہ کئے جو اس صفت سے مقصود ہیں اوس کا عالم انسانی سے باجز ہونیکا دعویٰ بیکار ہے۔

چونکہ اس صفت کو کمال انسانی سے خاص واسطہ ہے اور درجہ کمال ہمیشہ نا قص پر وجہ شرف ہوجاتی ہے۔ اس لئے تجرد پسند انسان کو ناقص لوگوں میں وہی امتیاز ہوتا ہے جو حیوانات میں انسان کو ہوا کرتا ہے۔

صفت تجرد کی خوبی اور ضرورت دیکھکر لامذہب اور ضعیف العقیدت بھی زبان سے تجرد پسند ہوجاتے ہیں۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ہر قسم کے الفاظ مناسب موقع ادا کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ چونکہ اون کا عمل زبان کے مخالف ہوتا ہے۔ اسلئے ان کا پردہ اگر عوام پر نہیں تو خواص پر ضرور فاش ہوجاتا ہے۔ انہیں صفات کا ہونا بزرگی کی دلیل ہے اور یہی صفات دوسروں کے فائدہ پہونچانیکے خیال کا سبب ہوتے ہیں ؎ مولانا روم

چند ساعت صحبت با اولیا　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تمت بالخیر